قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم
کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ او کما قال

وعظ ملقب بہ

حقوق البیت

مضمون متعلق زنانہ اسکول

منجملہ ارشادات حضرت حکیم الامۃ سیدنا ومقتدانا مولانا
شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

باہتمام

(مولوی) محمد اسحاق مالک کتب خانہ رحیمیہ دیوبند ضلع سہارنپور

الوعظ الملقب بہ

حقوق البیت

این	کہاں ہوا	غازی پور بر مکان سکریٹری صاحب۔
متی	کب ہوا	شب ۲۲ر محرم الحرام ۱۳۳۱ھ
کم	کتنی دیر ہوا	ایک گھنٹہ ۵۵ منٹ۔
کیف	کیونکر ہوا	بیٹھ کر
لِم	کیوں ہوا	مستورات کی اصلاح وتعلیم کیلئے ان کی درخواست پر۔
ماذا	کیا مضمون تھا	مردوں اور عورتوں کے باہمی حقوق کا بیان فرماتے ہوئے امور خانہ داری کی اصلاح پر توجہ کی ترغیب دی
مَن ضبط	کس نے ضبط کیا	مسودہ اجمالی مولانا مولوی سعید احمد صاحب نے ضبط کیا اور اُن کے برادر خرد ظفر احمد عفا اللہ عنہ نے تفصیل کی۔
الیٰ مَن	زیادہ مخاطب کون تھا	سب مسلمانوں کو عموماً اور مستورات کو خصوصاً۔
المستمعون	سامعین کی تعداد	مسودہ اجمالی میں نہیں لکھی گئی۔
الاشتات	متفرقات	۱۳ر جمادی الاولیٰ ۱۳۳۲ھ کو تسوید تفصیلی شروع ہوکر ۲۰ر کو بروز پنجشنبہ ختم ہوئی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ الہ واصحابہ وبارک وسلم۔ اما بعد فقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ۔ الحدیث۔

یہ ایک حدیث ہے یعنی ارشاد ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس میں ایک ضروری مضمون ہے جو اس وقت کی ضرورت ومصلحت کے مناسب ہے یعنی اس وقت زیادہ ضرورت مستورات کو سنانے کی ہے۔ اس لئے میں نے

ایک ایسا مضمون اختیار کیا ہے جس میں اُن کے متعلق بعض ذمہ داریوں کا ذکر ہے یعنی حقوق خانہ داری کا کیونکہ مرد کا گھر عموماً اُن کے سپرد ہوتا ہے اس لئے ضرورت ہے کہ اُس کے متعلق اُن کو احکام شرعی معلوم ہوں ہر چند کہ اس میں بعض مضامین مردوں کے متعلق بھی بیان ہوں گے مگر زیادہ مقصود اس وقت عورتوں کو سُنانا ہے کیونکہ اُن کو خود بھی علم کم ہوتا ہے اور علمی مجلس بھی میسر نہیں ہوتی۔ مواعظ کے سُننے کا بھی اُن کو اتفاق کم ہوتا ہے اور مرد تو اکثر اپنے متعلق احکام سُنتے رہتے ہیں اور جس بات کو چاہیں اہلِ علم سے دریافت بھی کر سکتے ہیں۔ اسوقت جو حدیث میں نے تلاوت کی ہے یہ ایک طویل حدیث ہے جسکا ایک ٹکڑا میں نے اسوقت پڑھا ہے۔ تمام حدیث کو احتیاط کی وجہ سے نقل نہیں کیا کیونکہ پورے الفاظ یاد نہ تھے۔ اسی لئے میں نے الحدیث کہدیا تھا تاکہ معلوم ہو جاوے کہ یہ پوری حدیث نہیں بلکہ اسکے اور بھی اجزاء ہیں جو یاد نہیں رہے۔ مگر مضامین قریب قریب سب محفوظ ہیں بعض یقیناً۔ بعض ظناً۔ اور در اصل وہ سب مضامین اسی جملہ کی تفاصیل ہیں جو میں نے اسوقت پڑھا ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اوّل ایک قاعدہ کلیہ اجمالاً بیان فرمایا ہے۔ پھر اُس کے چند جزئیات بطور تفصیل کے بیان فرمائے ہیں اسوقت میں نے اجمالی مضمون کو الفاظ تو نقل کر دیئے تفصیلی مضمون کے الفاظ نہیں پڑھے کیونکہ وہ بلفظہا یاد نہ تھے اور ضرورت بھی نہ تھی کیونکہ اس اجمال میں وہ سب تفصیل مندرج ہے۔ بہرحال وہ اجمالی مضمون جو بطور قاعدہ کلیہ کے ارشاد ہوا ہے کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ کہ ہر ایک تم میں سے با اختیار ہے اور ہر کسی چیز کا نگہبان اور ذمہ دار ہے اور ہر ایک سے پوچھا جاوے گا کہ تمہارے سپرد جو چیز کی گئی تھی اس میں تم نے کیا کیا۔ یہ ہے اجمالی مضمون کا حاصل۔ اسکے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی کچھ تفصیل بیان فرمائی ہے جسکے دو جزو تو یقیناً یاد ہیں جن میں سے ایک یہ ہے، والمرأۃ راعیۃ علی بیت زوجہا وولدہ وھی مسئولۃ عنہم متفق علیہ۔ کہ عورت بے شوہر کا گھر ہوتا ہے اور اُس کے بال بچے ان میں اسکو اختیار دیا گیا ہے اور انکے متعلق اس سے دریافت کیا جاوے گا کہ تم نے شوہر کے گھر اور اولاد کے ساتھ کیا برتاؤ کیا اسکے بعد ایک جزو یہ ہے، وعبد الرجل راع علی مال سیدہ وھو مسئول عنہ متفق علیہ۔ یعنی غلام خادم اپنے آقا کے مال کا نگہبان اور ذمہ دار ہے وہ بھی مفوض الیہ ہے اسلئے اس سے بھی پوچھا جاوے گا کہ تو نے اپنے آقا کے مال میں کس طرح تصرف کیا۔ یہ دو جزو تو یقیناً ہیں۔ تیسرا جزو شاید یہی ہے کہ ہر شخص اپنے گھر میں با اختیار ہے اور اس سے گھر والوں کے متعلق سوال ہوگا کہ تو نے اُن کے ساتھ کیا معاملہ کیا اور اُن کے حقوق ادا کئے یا نہیں۔

قلت ونص الحدیث ھذا فالامام الذی علی الناس راع وھو مسئول عن رعیتہ والرجل راع علی اھل بیتہ وھو مسئول عن رعیتہ وذکر بعدہ المرأۃ والعبد ثم قال الا فکلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ۔ متفق علیہ کذا فی المشکوٰۃ ص۳ وفی ترغیب عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ سائل کل راع عما استرعاہ حفظ ام ضیع رواہ ابن حبان فی صحیحہ ۱ھ ص۳۰)۔ اور تیسرا جزو یعنی والرجل راع الخ قرآن میں بھی ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں یاایھا الذین امنوا قوا انفسکم واھلیکم نارا ۱ھ اس میں ایمان والوں کو صاف حکم ہے

کہ جہنم کی آگ سے اپنے آپ کو بھی بچاؤ اور اپنے گھر والوں کو بھی تو اسکا بھی وہی مطلب ہے جو الرجل راعٍ علی اھل بیتہ کا تھا کہ مرد اپنے گھر والوں کی اصلاح کا ذمہ دار ہے بلکہ قرآن میں جن لفظوں سے اس مضمون کو بیان فرمایا ہے اسمیں رجال کی بھی تخصیص نہیں بلکہ یا ایھا الذین امنوا میں تغلیباً عورتیں بھی داخل ہیں جیساکہ قرآن میں تمام جگہ یہی طرز ہے کہ عورتوں کو مستقلاً خطاب نہیں کیا جاتا بلکہ مردوں کے ساتھ طبعاً انکو بھی خطاب ہوتا ہے تو یہاں بھی اس قاعدہ کے موافق یہ خطاب مردوں اور عورتوں سب کو شامل ہے تو عورتوں کیلئے بھی یہ بات ضروری ہوئی کہ وہ اپنے خاوند اور اولاد کو جہنم کی آگ سے بچاویں اور انکو خلاف شرع امور سے روکنے میں کوشش کریں۔ قرآن میں تو یہ مضمون عورتوں کے متعلق اجمالاً ہے اور حدیث میں اجمالاً بھی ہے اور تفصیلاً بھی۔ بہرحال خواہ اجمالاً ہو خواہ تفصیلاً قرآن وحدیث دونوں بتلا رہے ہیں کہ مردوں اور عورتوں کے متعلق کچھ حقوق ہیں جن کے متعلق اُن سے بازپرس ہوگی۔ اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ہم اپنی حالت میں غور کریں کہ ہم لوگ ان احکام کیساتھ کیا برتاؤ کر رہے ہیں۔ آیا اُنکا امتثال کرتے ہیں یا نہیں تو غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ تو مرد اُن حقوق کو ادا کرتے ہیں جو اُنکے ذمہ ہیں اور نہ عورتیں۔ اور اسی وجہ سے میں نے اس مضمون کو اختیار کیا ہے تاکہ عورتیں بالخصوص اور مرد بھی متنبہ ہوں کہ اُنکے ذمہ کیا کیا حقوق ہیں اور اُنکے ادا کرنے کی طرف متوجہ ہوں۔ اب یہ سمجھئے کہ وہ حقوق کیا ہیں کیونکہ اپنی کوتاہی کا علم بھی اسی سے ہوگا۔ اور ابتک کوتاہی کا علم نہ ہونا بھی اسی وجہ سے ہے کہ ہم ان حقوق سے واقف نہیں۔ مردوں نے تو اپنے ذمہ عورتوں کے یہ حقوق سمجھ رکھے ہیں کہ کھانے کو دیدیا۔ کپڑا دیدیا۔ زیور دیدیا۔ گھر دیدیا۔ اور کبھی بیمار ہوئیں تو علاج کر دیا۔ کبھی کوئی فرمائش کی تو اُسکو پورا کر دیا۔ اور عورتیں اپنے ذمہ مردوں کے یہ حقوق سمجھتی ہیں کہ کھانا پکا کے دیدیا۔ رات کو بستر کر دیا۔ اور دھوبن کو مردوں کے کپڑے شمار کرکے دیدیئے اور جب لائی تو شمار کرکے لیلئے اور حفاظت سے بکس میں بند کرکے رکھدیئے اور شمار کرکے دینا لینا بھی بعض گھروں میں ہے ورنہ اکثر تو یہ کہتی ہیں کہ ہماری دھوبن بڑی ایماندار ہے یہ خود گن کر لیجاتی ہے اور پورے کپڑے دیجاتی ہے۔ پھر دیتے ہوئے کپڑوں کی شمار ہوتی ہے نہ لیتے ہوئے۔ دھوبن کی ایمانداری پر اعتماد ہے اور وہی مختار کل ہے جو چاہے کرے۔ اسی طرح پسنہاری کو بھی خود وزن کرکے غلہ نہیں دیا جاتا اُسی سے کہدیتی ہیں کہ اپنے آپ وزن کرکے اتنی دھڑی لیجائے چاہے وہ چار دھڑی کی جگہ پانچ لیجائے اور اُن سے چار ظاہر کرے پھر جب وہ آٹا پیس کر لاتی ہے اُس وقت بھی وزن نہیں کیا جاتا وہی پسنہاری خود تول کر برتنوں میں بھر دیتی ہے اور آئندہ کیلئے دوبارہ اناج لیجاتی ہے۔ گھر والوں کو یہ یاد نہیں رہتا کہ پہلی پسائی کتنی تھی اور اگلی کتنی۔ پس مہینہ ختم ہونے پر جتنی رقم پسنہاری نے بتلادی وہی اُسکے ہاتھ پر رکھدی۔ میں نے ایک گھر میں دیکھا ہے کہ ایک پسنہاری کی بہت سی پسائیاں چڑھی ہوئی تھیں اور گھر میں نہ کوئی حافظہ تھی نہ کوئی ضابطہ تھا۔ بعض دفعہ گھر والوں اور پسنہاری میں اختلاف ہوتا وہ کچھ کہتی پسنہاری کچھ کہتی مگر حجت کسی کے پاس نہ تھی بالآخر جھک مار کر وہی دینا پڑتا تھا جو پسنہاری نے بتلادیا اور جن گھروں میں حساب کا خیال بھی ہوتا ہے تو وہاں یہ طریقہ ہے کہ دیوار پر کوئلہ سے لکیر کھینچ دیتی ہیں۔ جب ایک دھڑی پسکر آئی اُنھوں نے اُسی وقت دیوار پر لکیر کھینچ دی۔ میں نے دیکھا کہ ایک مکان میں تمام دیوار سیاہ تھی حالانکہ دیوار کی

لکیر کوئی معتبر چیز نہیں۔ ذرا سا ہاتھ لگنے سے مٹ سکتی ہے اور پنہاری ایک آدھ لکیر بڑھا بھی سکتی ہے پھر اس صورت میں وہی دینا پڑیگا جو پنہاری بتلادے (اس سے تو آسان صورت یہ ہے کہ قلم اور دوات سے کسی تختی یا کاغذ ہی پر جو اپنے قبضہ میں رہے لکیر کھینچ دیا کریں تاکہ کمی بیشی کے احتمال سے تو محفوظ رہے مگر گھروں میں اسکا مطلق اہتمام نہیں ۱۲) وجہ یہ کہ عورتیں ان کاموں کو اپنے ذمہ سمجھتی ہی نہیں ہیں بلکہ وہ اپنے ذمہ صرف اتنا سمجھتی ہیں کہ مردوں کو کھلادیا پلادیا۔ اور اگر کوئی بچہ ہوا تو اسکو پلا سُلا دیا اور یہ بھی اُسوقت کہ گھر میں بچہ کے لینے کو کوئی آدمی نوکر نہ ہو اور یہ کام اُنھیں خود کرنا پڑے۔ ورنہ اُنکو اسکی بھی خبر نہیں ہوتی کہ بچے کہاں ہیں اور کس طرح ہیں اور اگر گھر میں کھانا پکانیوالی بھی نوکر ہوئی تو انکو چولھے کی بھی خبر نہیں ہوتی۔ اب نوکرانی سیاہ و سفید جو چاہے کرے۔ غرض شوہر کے مال کی حفاظت کا عورتوں کو مطلقاً خیال نہیں ہوتا۔ اسی طرح مردوں کو عورتوں کے حقوق میں سے صرف بعضے دنیوی امور کا تو اہتمام ہے یعنی زیور کپڑے کا یا کھانے پینے کا۔ باقی اُن کے دین کی اصلاح کا کچھ بھی اہتمام نہیں تو دونوں نے دو دو قسم کی کوتاہیاں کر رکھی ہیں دو قسم کی مَردوں نے اور دو قسم کی عورتوں نے مجموعہ چار قسم کی کوتاہیاں ہوئیں۔ مَردوں سے ایک کوتاہی تو یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے ذمہ صرف دنیوی حقوق سمجھتے ہیں دینی حقوق اپنے ذمہ سمجھتے ہی نہیں کہ ہمارے ذمہ اُن کے دین کا بھی کوئی حق ہے مثلاً گھر میں آکر یہ تو پوچھتے ہیں کہ کھانا تیار ہوا یا نہیں مگر یہ کبھی نہیں پوچھتے کہ تم نے نماز بھی پڑھی یا نہیں۔ اگر کھانا کھانے گھر میں آئے اور معلوم ہوا کہ ابھی تیار نہیں ہے تو خفا ہوتے ہیں یا تیار تو ہو گیا مگر مرضی کے موافق تیار نہیں ہوا تب بھی خفا ہوتے ہیں اور اگر کبھی یہ معلوم ہوا ہو کہ بیوی نے اس وقت کی نماز ابتک نہیں پڑھی تو انکو ذرا بھی ناگوار نہیں ہوتی نہ بیوی پر خفا ہوتے ہیں۔ بلکہ اگر کسی کی بیوی عمر بھر بھی نماز نہ پڑھے تو بہت مردوں کو اسکی بھی پروا نہیں ہوتی اور جو کبھی کسی کو کچھ خیال بھی ہوتا ہے اور یہ وہ ہیں جو دیندار کہلاتے ہیں تو وہ بھی یونہی چلتی سی بات کہدیتے ہیں کہ بی نماز پڑھا کرو نماز کا ترک کرنا بڑا گناہ ہے۔ بس اتنا کہکر اپنے نزدیک یہ سبکدوش ہوگئے اور جب کسی نے اُن سے کہا کہ تم اپنی بی بی کو نماز کیلئے تنبیہ کیوں نہیں کرتے تو یہ جواب دیتے ہیں کہ کہہ تو دیا تھا اب وہ نہیں پڑھتی تو میں کیا کروں۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ انصاف سے بتائیے کیا آپ نے نماز کیلئے اسی طرح کہا تھا جیسے نمک تیز ہونے پر کہا تھا۔ اور اگر ایک دو دفعہ کے کہنے سے اُس نے نمک کی درستی کا اہتمام نہ کیا تو کیا وہاں بھی آپ ایسے ہی خاموش ہو جاتے ہیں جیسے نماز کیلئے ایک دو دفعہ کہکر خاموش ہو گئے۔ ہرگز نہیں۔ نمک تیز ہونے پر تو آپ سر توڑنے کو آمادہ ہو جاتے ہیں اور ایسی بری طرح خفگی ظاہر کرتے ہیں کہ بی بی سمجھ جاتی ہے کہ میاں بہت ناراض ہو گئے ہیں اس لئے وہ بہت جلد نمک کی اصلاح کا اہتمام کرتی ہے

صاحبو! نماز کیلئے آپنے اس طرح کبھی نہیں کہا جس سے بی بی سمجھ جائے کہ میاں بہت ناراض ہو گئے ہیں۔ اگر یہاں بھی اسی طرح خفگی ظاہر کرتے تو وہ اسکا بھی ضرور اہتمام کرتی اور اگر ایک دفعہ کے کہنے سے نہ پڑھتی تو دوسرے وقت پھر خفا ہوتے پھر نہ پڑھتی تو تیسرے وقت پھر کہتے اور جب تک وہ نماز نہ پڑھتی برابر کہتے رہتے اور مختلف طریقوں سے اپنی خفگی ظاہر کرتے۔ مثلاً پاس لیٹنا ترک کر دیتے یا اُس کے ہاتھ کا پکا ہوا نہ کھاتے جیسا کہ نمک کی تیزی پر اگر ایک بار خفا ہونے سے اثر

نہ ہوا تو آپ خاموش نہیں ہو جاتے بلکہ برابر کہتے رہتے ہیں اور وہاں کبھی یہ خیال نہیں ہوتا کہ ایک دفعہ تو کہدیا تھا اب بھی وہ نہیں مانتی تو میں کیا کروں بس خاموش ہو جاؤں۔

صاحبو! انصاف سے بتلائیے کہ ہم نے کبھی کھانے پینے کے باب میں بھی اپنے جی کو اس طرح سمجھا لیا ہے جیسا نماز کے باب میں سمجھا لیا جاتا ہے ہرگز نہیں۔ تو یہ سراسر کوتاہی ہے اگر آپ بی بی کو نمازی بنانا چاہیں تو کچھ دشوار بات نہیں کیونکہ عورت حاکم نہیں بلکہ محکوم ہے۔ چنانچہ اپنی اغراض کیلئے ان پر حکومت بھی کی جاتی ہے مگر دین کیلئے اس حکومت سے ذرا کام نہیں لیا جاتا ایک تو یہ کوتاہی ہے۔ دوسری کوتاہی یہ ہے کہ اُن کے حقوق دنیویہ کو بھی پوری طرح اپنے ذمہ نہیں سمجھتے۔ بس دنیوی حقوق میں اُنہی باتوں کو اپنے ذمہ سمجھتے ہیں جو عرفاً مردوں کے ذمہ سمجھی جاتی ہیں اور جو حقوق معاشرت کے شریعت نے ہمارے ذمہ کئے ہیں اُن کو عموماً مرد اپنے ذمہ نہیں سمجھتے مثلاً بعضے گھروں میں دیکھا ہے کہ مرد بیوی سے بالکل لاپرواہ رہتا ہے۔ سال بھر تک بیٹھک میں سوتے ہیں گھر میں نہیں سوتے۔ اب یا تو کہیں اور تعلق پیدا کیا جاتا ہے یا ویسے ہی باہر سوتے رہتے ہیں اور بیوی کے اس حق سے غافل ہیں حالانکہ رات کو اس کے پاس سونا بھی شرعاً اسکا حق ہے بعض جگہ دیکھا ہے کہ وہ خود تو نیک ہوتے بھی ہیں ان میں بعض ایسے بھی ہیں جو بزرگ کہلاتے ہیں یا کسی بزرگ کے مُرید ہیں۔ نماز روزہ اور ذکر و شغل کے پابند ہیں اپنے نزدیک جنت خرید رہے ہیں۔ مگر بیوی کے حقوق سے غفلت۔ یاد رکھو بیوی کا یہ بھی حق ہے کہ ایک وقت میں اس سے بات چیت بھی کیجائے اور اسکی تکلیف و راحت کی باتیں سُنی جائیں اور دلجوئی کی باتوں سے اسکو خوش کیا جائے مگر اس حق سے دنیادار اور دیندار سب ہی غافل ہیں جسکی وجہ یہ ہے کہ اس کو اپنے ذمہ سمجھتے ہی نہیں بس کھانا کپڑا ہی اپنے ذمہ سمجھ لیا ہے بعض جگہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ بات بات میں عورتوں کی خطائیں نکالی جاتی ہیں اور ان کی وجہ سے بات چیت ترک کی جاتی ہے یا گھر میں سونا چھوڑ دیا جاتا ہے اور وہ دو قسم کی خطائیں ہیں۔ بعض تو اختیاری ہیں جن میں عورتوں کے اختیار کو دخل ہے مگر وہ اس درجہ کی نہیں ہوتی کہ ان پر اتنی بڑی سزا دیجائے چنانچہ عورتوں کی ایک خطا بیان کی جاتی ہے کہ وہ گفتگو میں مرد کے آگے دبتی نہیں ہیں اور برابر جواب دیئے چلی جاتی ہیں حالانکہ وہ محکوم ہیں۔ ان کو محکوم بن کر رہنا چاہئے۔

سو میں کہتا ہوں کہ عورت بیشک محکوم ہے لیکن وہ ایسی محکوم نہیں ہے جیسے ماما یا لونڈی محکوم ہوتی ہے بلکہ اسکو مرد کے ساتھ دوستی کا تعلق بھی ہے اور اس تعلق کا خاصہ ہے کہ اس میں ایک قسم کا ناز بھی ہوتا ہے۔ اس تعلق کے ساتھ مرد کا عورت پر وہ رعب نہیں ہو سکتا جو نوکروں پر ہوا کرتا ہے۔ مرد یہ چاہتے ہیں کہ بیوی پر بھی اسی طرح رعب جمائیں جس طرح نوکر پر جمایا کرتے ہیں۔ یہ نہایت سنگدلی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے اس تعلق کی حقیقت کو سمجھا نہیں ذرا بھلا غور تو کیجئے کہ کیا آپ اپنے دوستوں پر ویسا رعب جما سکتے ہیں جیسا نوکروں پر جمایا جاتا ہے ہرگز نہیں اور اگر آپ ایسا کرنے لگیں تو سارے احباب آپکو چھوڑ کر الگ ہو جائیں دوستوں کے ساتھ نوکروں کا سا برتاؤ کوئی عاقل نہیں کر سکتا پھر حیرت ہے کہ آپ بیوی کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنا چاہتے ہیں جس سے بڑھکر دنیا میں کوئی دوست نہیں ہو سکتا تجربہ ہے

کہ زمانۂ افلاس و مصیبت میں سب احباب الگ ہو جاتے ہیں اور ماں باپ تک انسان کو چھوڑ بیٹھتے ہیں مگر بیوی ہر حالت میں مرد کا ساتھ دیتی ہے۔ اسی طرح بیماری میں جیسی راحت بیوی سے پہنچتی ہے کسی دوست سے بلکہ ماں باپ سے بھی نہیں پہنچتی اس سے صاف ظاہر ہے کہ بیوی کے برابر دنیا میں مرد کا کوئی دوست نہیں پھر کیا یہ ستم نہیں ہے کہ مرد اُن کو نوکروں کے برابر کرنا چاہتے ہیں۔

اور اگر وہ کسی وقت گفتگو میں اپنے اس تعلق کی بنا پر بطور ناز کے برابری کرنے لگیں تو اس پر یہ سزا دی جاتی ہے کہ بولنا چالنا، پاس بیٹھنا اُٹھنا یک لخت بند کر دیا جاتا ہے (۱۲ جامع)۔

صاحبو! یہ وہ تعلق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی بعض دفعہ ازواج مطہرات ناز میں آکر برابر کے دوستوں کا سا برتاؤ کرتی تھیں حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برابر کون ہوگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر کمال میں بے نظیر تھے کوئی آپ کی برابر نہ تھا نیز اس کے ساتھ آپ صاحب سلطنت تھے رُعب سلطنت بھی آپ میں بہت زیادہ تھا حدیث میں ہے کہ مہینہ بھر کی مسافت تک آپکے رُعب کا اثر پہنچتا تھا کہ سلاطین آپ کا نام سُن سُن کر کانپتے تھے ۱۲ جامع مگر بایں ہمہ بیبیوں پر آپنے کبھی رعب سے اثر نہیں ڈالا بلکہ اُن کی ساتھ آپ کا ایسا برتاؤ تھا جس میں حکومت اور دوستی کے دونوں پہلو ملحوظ رہتے تھے تعلق حکومت کا تو یہ اثر تھا کہ ازواج مطہرات حضور کے احکام کی مخالفت کبھی نہ کرتی تھیں آپکی تعظیم اور ادب اس درجہ کرتی تھیں کہ دنیا میں کسی کی عظمت بھی اُن کے دل میں حضور کے برابر نہ تھی اور تعلق دوستی کا یہ اثر تھا کہ بعض دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ پر ناز کرتیں مگر کبھی آپکو ناگوار نہ ہوتا تھا مثلاً جس وقت قصہ افک ہوا اور منافقین نے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بہتان باندھا تو اول اول حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت دلگیر رہے حتی کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جبکہ وہ اپنے باپ کے گھر پر تھیں یہ فرمایا کہ اے عائشہ اگر تم بالکل بری ہو تو حق تعالیٰ تمہاری برات ظاہر کر دیں گے۔ اور اگر واقعی تم سے کوئی غلطی ہوئی ہے تو حق تعالیٰ سے توبہ و استغفار کر لو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس بات سے بہت رنج ہوا کیونکہ اس سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا تھا کہ حضور کو بھی (نعوذ باللہ) میری نسبت کچھ احتمال ہے (۱۲) تو اُنھوں نے عرض کیا کہ میں نہیں جانتی کہ اس بات کا کیا جواب دوں۔ اگر میں یہ کہوں کہ میں بالکل بری ہوں اور خدا جانتا ہے کہ میں بالکل بری ہوں تو اس کو آپ لوگوں کے دل قبول نہ کریں گے۔ اور اگر میں یہ کہدوں

؎ چنانچہ حضرت ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے باپ ابوسفیان جب ایک دفعہ اسلام سے پہلے مدینہ منورہ میں آئے اور اپنی بیٹی کے پاس قیام کیا تو گھر میں داخل ہو کر اُنھوں نے ایک بستر پر بیٹھنا چاہا جو سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر مبارک تھا حضرت ام حبیبہ نے نہایت سرعت سے اس بستر کو لپیٹ کر ایک طرف رکھدیا اور اپنے باپ کو اس پر بیٹھنے نہ دیا ابوسفیان نے کہا کہ بیٹی یہ بستر تم نے اس لئے طے کر دیا کہ میرے قابل نہ تھا یا اس لئے لپیٹا ہے کہ میں اس کے قابل نہ تھا حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ یہ بستر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور تم ناپاک مشرک ہو سفیان یہ جواب سنکر خاموش ہو گئے اور کچھ دیر خاموش رہ کر کہا کہ افسوس میرے بعد تیری حالت بدل گئی۔ ۱۲ +

کہ ہاں مجھ سے غلطی ہوئی ہے اور خدا جانتا ہے کہ میں اس سے بری ہوں تو اس بات کو آپ فوراً تسلیم کر لیں گے پس اس وقت میں وہی بات کہتی ہوں جو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمائی تھی فصبر جمیل واللہ المستعان علی ما تصفون۔ یہ کہکر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرط غم سے بستر پر لیٹ گئیں اور رونے لگیں۔ تو اُسی وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کے آثار نمایاں ہوئے اور مکان میں سناٹا ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب وحی ختم ہو چکی تو پہلی بات جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مُنھ سے نکلی وہ یہ تھی ابشری یا عائشۃ فقد براء ک اللہ یعنی اے عائشہ خوشخبری سُن لو کہ حق تعالیٰ نے تمہاری برات ظاہر کر دی پھر آپنے وہ آیات پڑھ کر سُنائیں جو اُس وقت نازل ہوئیں تھیں۔ اس بات کے سنتے ہی سب کو ایسی خوشی ہوئی کہ سارے گھر میں ہر شخص کا چہرہ خوشی سے کھل گیا اور حضرت عائشہؓ کی والدہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا قومی یا عائشۃ الیہ وقبلی رای الی دجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی اے عائشہ اُٹھو یعنی حضور کو سلام کرو تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا واللہ لا اقوم الیہ وانی لا احمد الا اللہ عزوجل۔ بخدا میں آپکے پاس اُٹھکر نہ جاؤنگی اور میں اپنے خدا کے سوا کسی کی حمد نہیں کرتی کیونکہ آپنے تو مجھے آلودہ سمجھ ہی لیا تھا۔ خدا تعالیٰ نے مجھے بری کیا۔

اب مردوں کو سمجھنا چاہئے کہ حضرت عائشہ کی یہ بات کس بنا پر تھی اس کا منشا وہی ناز تھا جو بی بی کو تعلق دوستی کی وجہ سے شوہر پر ہوتا ہے اور شریعت نے عورتوں کی اس قسم کی باتوں پر جو وہ ناز میں کہہ ڈالیں کوئی مواخذہ نہیں کیا اگر عورت کو ناز کا حق نہ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ کو اس بات پر ضرور تنبیہ فرماتے کیونکہ ظاہر میں یہ کلمہ نہایت سخت تھا اور یہ احتمال تو ہو ہی نہیں سکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم احکام شرعیہ میں کسی کی رعایت فرمائیں چنانچہ ایک عورت نے چوری کی تھی جن کا نام فاطمہ تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم شرعی کے موافق ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا لوگوں نے سفارش کرنا چاہی اور حضرت اُسامہ بن زید بن حارثہ کو سفارش کیلئے تجویز کیا کیونکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب اور محبوب زادے تھے چنانچہ وہ بھولے بھالے سفارش کہنے بیٹھ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت برہم ہوئے اور فرمایا کہ حدود میں سفارش کرنا پہلی اُمتوں کو ہلاکت میں ڈال چکا ہے۔ اسکے بعد ایسی بات فرمائی کہ ہم تو اس کو نقل بھی نہیں کر سکتے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سمجھ کر نقل کرتے ہیں آپنے فرمایا کہ واللہ اگر فاطمہ بنت محمد بھی ہوتی (نعوذ باللہ نعوذ باللہ نعوذ باللہ) تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ ڈالتا دپھر فاطمہ مخزومیہ تو کیا چیز ہیں چنانچہ اُن کا ہاتھ کاٹا گیا کذا فی ابوداؤد ص ۲۵۳ جلد ۲) اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم احکام شرعیہ میں کسی کی رعایت نہیں کرتے تھے اور نہ کر سکتے تھے۔ تو اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول خلاف شریعت ہوتا تو آپ اُن کی ہرگز رعایت نہ فرماتے اور ضرور تنبیہ فرماتے یہ بات بیشک ہے کہ حضرت عائشہؓ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو محبت تھی مگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ایسی خصوصیتیں ہیں کہ ان میں کوئی ان کا شریک نہ تھا اور برتاؤ میں اُن خصوصیتوں کا زیادہ ظہور ہوتا تھا

چنانچہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہیں سفر میں تشریف لیجاتے تو جاتے ہوئے سب سے اخیر میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ملتے تھے اور واپسی میں سب سے پہلے اُن سے ملتے تھے تاکہ جدائی کا زمانہ کم ہو اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت فاطمہؓ سے کس قدر محبت تھی۔ نیز جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لاتیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم غایت محبت سے اُن کیلئے کھڑے ہوجاتے تھے تو اُن کی محبت کے ساتھ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم احکام شرعیہ میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بھی رعایت نہ کرسکتے تھے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تو کیا رعایت فرماتے پس ثابت ہوا کہ اُن کا یہ کہنا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اُٹھ کر نہیں جاتی اور اپنے خدا کے سوا کسی کا شکریہ ادا نہیں کرتی خدا و رسول کے خلاف نہ تھا۔ تو بی بی کا شوہر سے وہ تعلق ہے جس میں اتنی بڑی بات کو خدا و رسول نے گوارا کرلیا۔ ورنہ یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم گرفت فرماتے یا اس پر کوئی آیت ضرور نازل ہوتی چنانچہ ایک مرتبہ ازواج مطہرات نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خرچ زیادہ مانگا تھا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی حالانکہ ظاہر میں ان کی درخواست کی وجہ معقول بھی تھی کیونکہ اُس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فتوحات بہت ہونے لگی تھیں۔ اور سب مسلمان فتوحات کی وجہ سے مالدار ہونے لگے تھے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر بھی اپنی ذات خاص اور اپنے گھر والوں کیلئے دنیوی وسعت کو گوارا نہ کیا تو ازواج مطہرات نے اس موقع پر زیادہ خرچ کی درخواست کی تنگی کے وقت اُنھوں نے ایسی درخواست کبھی نہیں کی حتیٰ کہ تنگی کے زمانہ میں بعض وقت پانی بھی گھر میں نہیں ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ شکایت نہیں کی۔ ہاں جب فتوحات سے سب مسلمان مالدار ہونے لگے اور تنگی رفع ہوگئی اُس وقت اُنھوں نے بھی اپنے لئے وسعت چاہی۔ مگر یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مذاق کے خلاف تھی۔ آپ بیبیوں کے لئے تو وسعت کو کیا پسند کرتے اپنی بیٹی تک کیلئے بھی اس کو گوارا نہیں کیا۔ چنانچہ ایک مرتبہ کسی جہاد میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس بہت سے باندی غلام قید ہوکر آئے۔ اور آپ مسلمانوں میں ان کو تقسیم فرمانے لگے۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ تم چکی پیسنے اور پانی بھرنے میں بہت تکلیف اُٹھاتی ہو اور اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس باندی غلام بہت سے آئے ہوئے ہیں جن کو آپ لوگوں میں تقسیم فرما رہے ہیں اگر تم بھی حضور سے ایک باندی غلام مانگ لو تو اس محنت سے تم کو راحت ہوجائے گی۔ چنانچہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تشریف لے گئیں تو اُس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں نہ تھے۔ اُنھوں نے حضرت عائشہ رضہ سے اپنی درخواست کا مضمون بیان کردیا کہ حضور تشریف لائیں تو میری طرف سے یہ عرض کردی جائے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب آپ گھر میں تشریف لائے تو حضرت عائشہ رضہ نے حضور سے عرض کردیا کہ صاحبزادی صاحبہ اس مقصود کے لئے تشریف لائی تھیں آپ اُسی وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تشریف لائے اور فرمایا اے فاطمہ تم غلام اور باندی چاہتی ہو یا میں اس سے بھی اچھی ایک چیز تم کو بتلاؤں۔ اُنھوں نے عرض کیا کہ جو چیز اس سے بھی اچھی ہو وہی بتلادیجئے آپ نے فرمایا لیٹنے کے وقت ۳۳ بار سبحان اللہ اور ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۴

بار اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔ یہ تمہارے لئے لونڈی غلام سے بہتر ہے۔ وہ ایسی لائق صاحبزادی تھیں کہ اسی پر خوش ہوگئیں اور اُخروی راحت کو دنیاوی راحت پر ترجیح دی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اولاد کے لئے بھی باندی غلام لینا پسند نہیں فرمایا تو بیبیوں کے لئے ان باتوں کو کیسے پسند فرماتے۔ آپ تو ہمیشہ یہ دعا فرماتے تھے اللھم اجعل رزق آل محمد قوتا۔ یعنی اے اللہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گھر والوں کا رزق بقدر قوت کردیجئے جس سے زندگی قائم رہ سکے۔ غرض مال کا زیادہ ہونا آپ کے مذاق کے خلاف تھا۔ اس لئے ازواج کی اس فرمائش سے آپ تنگ دل ہوئے تو اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی یاایھا النبی قل لازواجک ان کنتن تردن الحیوۃ الدنیا وزینتہا فتعالین امتعکن واسرحکن سراحا جمیلا وان کنتن تردن اللہ ورسولہ والدار الاٰخرۃ فان اللہ اعد للمحسنات منکن اجرا عظیما یعنی ازواج مطہرات سے فرمادیجئے کہ اگر تم دنیا چاہتی ہو اس صورت میں تم میرے پاس نہیں رہ سکتیں آؤ میں تم کو متاع دنیا دیکر خوبی کے ساتھ رخصت کردوں اور اگر اللہ و رسول اور آخرت کی طالب ہو تو دیکھو صبر و شکر کے ساتھ اس تنگی کی حالت میں گذر کرو اور نیک اعمال میں سعی کرتی رہو (۲) اللہ تعالیٰ نے تمہارے میں سے نیک کام کرنیوالیوں کیلئے بڑا اجر تیار کر رکھا ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیات نازل ہوئیں تو آپ سب سے اول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور چونکہ حضرت عائشہ رض نو عمر تھیں کیونکہ نو برس کی عمر میں وہ آپ کے پاس آئی تھیں اور آپ کی وفات کے وقت اُن کی عمر کُل اٹھارہ سال کی تھی تو آپ نے یہ خیال کیا کہ اس عمر میں سمجھ کم ہوتی ہے ایسا نہ ہو کہ اُن کے منہ سے یہ نکل جائے کہ ہم تو دنیا چاہتے ہیں اسلئے آپ نے آیات سُنانے سے پہلے یوں فرمایا کہ اے عائشہ میں تم سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں مگر اس کے جواب میں جلدی نہ کرنا بلکہ اپنے والدین سے مشورہ کرکے جواب دینا کیونکہ آپ خوب جانتے تھے کہ اُن کے والدین حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے علیحدگی کی رائے کبھی نہیں دے سکتے) اس کے بعد آپ نے یہ آیات اُن کو سُنائیں حضرت عائشہ رض کو یہ مضمون سُن کر جوش ہوا اور عرض کیا۔ افی ھذا استامر ابوی کیا میں اس بات کیلئے اپنے ماں باپ سے مشورہ کروں گی۔ میں نے اللہ کو اور اُس کے رسول کو اور آخرت کو اختیار کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُنکے جواب سے بہت مسرور ہوئے۔ تو حضرت عائشہ رضؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کسی اور بی بی سے یہ نہ کہئے کہ عائشہ نے یہ جواب دیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر مجھ سے کسی نے پوچھا تو میں چھپاؤں گا نہیں۔ غور کرنے کی بات ہے کہ حق تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو زیادہ خرچ مانگنے سے تو منع فرمایا اور ان کو ناز کی بات سے منع نہیں فرمایا۔ تو معلوم ہوا کہ ناز کرنے میں اتنی بُرائی نہ تھی جتنی خرچ مانگنے میں تھی۔ مگر آجکل کتنی اُلٹی بات ہے کہ زیادہ خرچ مانگنے کو تو بُرا نہیں سمجھتے جو کسی درجہ میں مذموم بھی ہے اور بی بی کے ناز اور بے تکلفی کو بُرا سمجھتے ہیں جو ذرا بھی بُری بات نہیں ہے کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے مذاق فاسد ہیں ہمارے نفوس کی اصلاح نہیں ہوئی ہمارے اندر مرض ہے جسکی وجہ سے

ہر بات الٹی ہے کہ جو چیز ناگوار ہونا چاہئے تھی وہ تو گوارا ہے اور جو گوارا ہونا چاہئے تھی وہ ناگوار ہے۔ جیسے
صفراوی المزاج کو مٹھائی کڑوی معلوم ہوتی ہے تو کیا وہ مٹھائی واقع میں کڑوی ہوتی ہے۔ ہرگز نہیں بلکہ صفراویت
کی وجہ سے اس کا مذاق بگڑ گیا ہے۔ اسی طرح باطنی مذاق بگڑ رہا ہے۔ اسی کا یہ اثر ہے کہ زیادہ خرچ مانگنے کو تو عورت
کیلئے گوارا کرتے ہیں اور بے تکلفی اور ناز کی باتوں کو اس کے لئے گوارا نہیں کرتے اور اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ
وسلم کا اپنی بیبیوں کے ساتھ برتاؤ سن کر ہم کو تعجب ہوتا ہے جیسا صفراوی المزاج کو مٹھائی کھاتے دیکھ کر حالت
پر تعجب ہوا کرتا ہے یہ ہے ہماری غلطی جس کا حاصل یہ کہ عورتوں کے دینی حقوق تو اپنے ذمہ سمجھتے ہی نہیں۔ ادا تو کیا ہی کرتے
اور دنیوی حقوق کو اپنے ذمہ کچھ سمجھتے ہیں مگر ان کو بھی پوری طرح ادا نہیں کرتے چنانچہ ایک حق دنیوی یہ ہے کہ انکی بے تکلفی اور ناز
کو گوارا کریں اور نیز ان کی بے تمیزی کو بھی گوارا کریں۔ ان حقوق کو مردوں نے عموماً نظر انداز کر رکھا ہے یوں چاہتے ہیں کہ
عورتیں باندیوں کی طرح محکوم اور تابع ہو کر رہا کریں اور کبھی ہماری بات کا الٹ کر جواب نہ دیا کریں۔ اور جو کسی نے ایسا کیا
تو اس سے بولنا چالنا پاس لیٹنا بیٹھنا سب موقوف کر دیتے ہیں یہ بہت بیجا حرکت ہے۔ نیز بعضے مرد یوں چاہتے ہیں کہ
عورتیں ہماری طرح تمیزدار اور سلیقہ شعار ہو کر رہیں۔ اسی لئے جب کسی عورت سے کوئی بات بے تمیزی کی ہو جاتی ہے تو
اس پر سخت سزا دی جاتی ہے۔ حالانکہ عورتوں کا ایک حق یہ بھی ہے کہ ان کی بے تمیزی کو گوارا کیا جائے۔ حدیث میں ہے
کہ عورت ٹیڑھی پسلی سے پیدا ہوئی ہے اس لئے اس کے اخلاق میں کجی ہے۔ اگر اس کو سیدھا کرنا چاہو گے تو ٹوٹ جائیگی
بس اس سے نفع اٹھانا ہے تو کجی کے ساتھ نفع اٹھاتے رہو دوسرے کچھ عورتوں کے زیادہ مناسب حال یہی ہے کہ وہ
تھوڑی سی بے تمیز بھی ہوں۔ کیونکہ اکثر بے تمیز وہی ہوتی ہیں جو سیدھی سادی ہوتی ہیں اور ایسی عورتیں نہایت عفیف
اور تابعدار ہوتی ہیں اور جو بہت سلیقہ دار ہیں وہ اکثر نہایت چالاک ہوتی ہیں۔ اگرچہ بعض ایسی بھی ہیں جو سلیقہ دار ہونے کے ساتھ
خاوند کی مطیع اور تابعدار بھی ہیں۔ مگر ایسی بہت کم ہیں۔ زیادہ تو یہی دیکھا گیا ہے کہ سلیقہ دار عورتیں تابعدار نہیں ہوتیں نیز
ان میں عفت وحیا بھی کم ہوتی ہے اور جو سیدھی سادی ہیں وہ خاوند کی بہت تابعدار اور جان نثار ہوتی ہیں۔ بعض عورتوں کو
یہانتک دیکھا ہے کہ وہ خود بیمار ہیں اٹھنے کی بھی طاقت نہیں۔ مگر اسی حالت میں اگر کہیں خاوند بیمار ہو گیا تو وہ اپنی بیماری
کو بھول جاتی ہیں۔ اب ان کو کسی پہلو قرار نہیں آتا۔ نہ آرام ہے نہ چین ہر وقت خاوند کی تیمارداری میں مشغول رہتی ہیں۔ اور یہ
تو روز مرہ کی بات ہے کہ عورتیں خود کھانا اخیر میں کھاتی ہیں اور سب سے پہلے مردوں کو کھلاتی ہیں۔ اور بعض دفعہ اخیر میں کوئی مہمان
آگیا تو خود بھوکی رہیں گی اور مہمان کے سامنے اپنے کھانے سے پہلے کھانا بھیجدیں گی۔ اگر اس کے کھانے کے بعد کچھ بچ گیا تو خود بھی
کھا لیا ورنہ فاقہ کر لیا۔ اگر کبھی خاوند آدھی رات کو سفر سے آگیا تو اسی وقت اپنا چین و آرام چھوڑ کر اس کیلئے کھانا پکاوینگی
اور اس کی خدمت میں لگ جاویں گی۔ تو اس قسم کی عورتیں جو خاوند پر مرتی ہیں اکثر وہی ہیں جو تھوڑی سی بے تمیز بھی ہوتی ہیں۔
سلیقہ داروں میں یہ باتیں نہیں ہوتیں اور اسی وجہ سے میری رائے ہے کہ عورتوں کو دنیوی تعلیم مختصر سی ہونی چاہئے ہاں دین کی

تعلیم کافی ہونا چاہئے۔ میں نے کانپور میں ایک شخص کو دیکھا کہ اپنی عورت کو جغرافیہ پڑھاتا تھا میں نے کہا کہ جغرافیہ کی عورت
کو کیا ضرورت۔ کیا بھگانے کیلئے پڑھاتے ہو کیونکہ جب اس کو سب راستے بتلا دیئے گئے اور مختلف شہروں کے عجائبات
معلوم ہو گئے تو اب وہ گھر کی چار دیواری میں کیوں رہے گی۔ عورت کا تو کمال یہی ہے کہ اس کو اپنے گھر کے سوا کسی اور جگہ کا
رستہ معلوم نہ ہو نہ کسی شہر کی اسے خبر ہو اس جہالت ہی سے وہ گھر میں قید رہ سکتی ہے کیونکہ اس حالت میں وہ بھاگنا بھی چاہے
تو کیونکر بھاگے۔ اسکو یہ خبر ہی نہیں کہ ریل میں کس طرح بیٹھا کرتے ہیں ٹکٹ کہاں ملتا ہے۔ اور اسٹیشن کس طرف کو ہے اور جغرافیہ
پڑھکر تو وہ دنیا بھر سے باخبر ہو جائیگی اور جہاں چاہیگی آسانی سے چلی جائیگی واقعی میری سمجھ میں نہیں آتا کہ عورتوں کو جغرافیہ
پڑھنے میں کیا مصلحت ہے۔ بجز اس کے کہ ان کو بھاگنے کا رستہ بتلانا ہے۔ اس لئے نو تعلیم یافتہ طبقہ میں جو لوگ عاقل ہیں وہ
عورتوں کو اس قسم کے علوم نہیں پڑھاتے۔ ریل میں ایک جنٹ عربی داں مجھ سے شکایت کرنے لگے کہ میں لڑکوں کو تو فلسفہ وجغرافیہ
بھی پڑھاتا ہوں مگر لڑکیوں کو محض دینیات کی کتابیں پڑھاتا ہوں۔ دینیات کے سوا کچھ نہیں پڑھاتا۔ کیونکہ دنیوی علوم سے
ان کے اخلاق پر برا اثر پڑتا ہے واقعی صحیح رائے ہے۔ بس عورتوں کو دین تو پڑھائیں مگر جغرافیہ فلسفہ ہرگز نہ پڑھائیں باقی
اخبار اور ناول پڑھانا تو عورتوں کے لئے زہر قاتل ہے یہ نہایت سخت مضر ہے اس سے بعض دفعہ عورتوں کی آبرو برباد
ہو جاتی ہے۔ اسی طرح مستورات کو باہر پھرنے والی عورتوں سے بھی بہت بچانا چاہئے خصوصاً شہروں میں جو یہ رواج ہے کہ لڑکیوں کو
میمیں گھر پر آکر پڑھاتی ہیں اسکو سختی سے بند کرنا چاہئے۔ میں کانپور میں سنا کرتا تھا کہ آج فلاں عورت بھاگ گئی اور کل فلاں
کی بیٹی بھاگ گئی اور یہ صرف اسی کا نتیجہ تھا کہ عورتوں کو پڑھانے کیلئے میم گھر پر آتی تھی تو یہ ہرگز نہ چاہئے۔ اسی طرح شرفاء
کبھی اسکو بھی پسند نہیں کیا کہ لڑکیوں کیلئے زنانہ مدرسہ ہو قصبات میں لڑکیاں عموماً لکھی پڑھی ہوتی ہیں مگر سب اپنے
گھروں پر تعلیم پاتی ہیں۔ مدرسہ میں کسی نے بھی تعلیم نہیں پائی گھروں پر تعلیم پانے سے لڑکیوں کا کسی طرح کا نقصان نہیں ہوتا کیونکہ
پڑھانے والی بھی نیک اور پردہ نشین ہوتی ہے اور لڑکیاں بھی پردہ ہی میں رہ کر تعلیم پاتی ہیں۔ باقی یہ جو آجکل زنانہ اسکول
ہوئے ہیں تجربے سے معلوم ہوئے کہ یہ بہت ہی مضر ہیں۔ رہا یہ کہ کیوں مضر ہیں۔ چنانچہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب اسکول میں
پردہ کا پورا اہتمام کیا جاتا ہے اور پردہ کے ساتھ لڑکیوں کو بند گاڑی میں پہنچایا جاتا ہے تو پھر انکے مضر ہونے کی کیا وجہ ہے
تو ہمیں اس کی علت[ف] کی خبر نہیں مگر تجربہ یہی ہے کہ اسکولوں کی تعلیم عورتوں کو بہت ہی مضر ہوتی ہے اس سے انمیں آزادی
اور بے حیائی اور پردہ سے نفرت کا مضمون پیدا ہو جاتا ہے۔ غرض عورتوں کو دین کی تعلیم تو دینا چاہئے اتنی تعلیم تو ضروری

ف اس کے اسباب کی کچھ مجمل تفصیل احقر کی ایک تحریر میں ہے جو اصلاح انقلاب جلد اول بزیر تحقیق تعلیم نسواں اور بہشتی زیور حصہ اول کے
ضمیمہ اول کے آخر کے قریب تحت عنوان اصلاح معاملہ متعلقہ تعلیم نسواں میں شائع ہوئی ہے جو نہایت مفید مضمون اور قابل ملاحظہ ہے
اس مقام پہ حاشیہ میں سے صرف یہ جزو خاص جو زنانہ اسکول کے متعلق ہے مع نصاب ضروری و بحث تعلیم کتابت نقل کرکے وعظ کے
اخیر میں ملحق کیا جاتا ہے ۱۱

ہے اس سے زیادہ مضر ہے۔ اب تو یہاں تک نوبت پہنچ گئی ہے کہ اخباروں میں عورتوں کے اشعار چھپتے ہیں اور اخیر میں اُن کا نام یا فلاں کی بیٹی یا فلاں کی بیوی بھی چھپتا ہے۔ میں نے یہاں تک دیکھا ہے کہ ایک شخص میرے سامنے اخبار پڑھ رہے تھے اُس میں ایک عورت کا پورا پتہ لکھا ہوا تھا کہ فلاں کی بیٹی فلاں شہر فلاں محلہ کی رہنے والی وہ کہنے لگے عورتوں کے نام اس طرح اخباروں میں چھاپنا گویا اُن کو سر بازار بٹھلا دینا ہے واقعی سچ ہے اس طرح تو گویا ظاہر کر دینا ہے کہ جو کوئی ہم سے ملنا چاہے اس پتہ پر چلا آوے اور اگر کسی کی یہ نیت بھی نہ ہو تو بدمعاشوں کو پتہ معلوم ہو جانے سے سہولت تو ہو ہی جائے گی۔

صاحبو! عورتوں کو اس طرح رکھنا چاہئے کہ محلہ والوں کو بھی خبر نہ ہو کہ اس گھر میں کتنی عورتیں ہیں اور ہیں بھی یا نہیں اسی میں آبرو کی خیر ہے۔ ہمارے قصبات میں یہ حالت ہے کہ جب بعض لڑکیوں کی شادی ہوئی تو بستی والوں کو تعجب ہوا کہ میاں کیا تمہارے بھی لڑکی تھی حیرت ہے کہ ہم کو بستی میں رہ کر بھی اس کی خبر نہ ہوئی۔ عورت کے لئے یہی مناسب ہے کہ اس کی خبر اپنے گھر والوں کے سوا کسی کو بھی نہ ہو۔ ہمارے یہاں ایک رسم یہ بھی ہے اور مجھ کو پسند ہے کہ لڑکیوں کا مردوں سے تو پردہ ہوتا ہی ہے غیر عورتوں سے بھی اُن کا پردہ کرایا جاتا ہے چنانچہ نائن یا دھوبن یا کنجڑن وغیرہ جہاں گھر میں آئی اور سیانی لڑکیاں فوراً پردہ میں ہو گئیں۔ اس طریقہ سے ان میں حیا و شرم پوری طرح پیدا ہو جاتی ہے۔ بیباکی اور دیدہ چشمی نہیں ہونے پاتی۔ پہلے لوگوں نے اس قسم کی بعض حکمت کی باتیں ایجاد کی تھیں سو واقعی ان میں بڑی مصلحت ہے گو بعضی فخر کی باتیں بھی ہیں ان کو مٹانا چاہئے لیکن حکمت کی باتیں دستور العمل بنانے کے قابل ہیں۔ اور جہاں ان پر عمل ہے وہاں کی لڑکیاں عموماً حیادار اور عفیف اور خاوند کی تابعدار ہوتی ہیں۔ مگر اب تو شہروں میں یہ حالت ہے کہ میں نے ایک عورت کی عاشقانہ غزل پیر کی شان میں چھپی ہوئی دیکھی تھی خدا جانے وہ پیر بھی کیسے تھے جنھوں نے اس کو گوارا کیا۔ واقعی شریعت کے چھوڑنے سے حیا اور غیرت بھی بالکل جاتی رہتی ہے میں نے بعض جگہ یہ دستور دیکھا ہے کہ عورتیں پیروں سے پردہ نہیں کرتیں اُن کے سامنے آتی ہیں۔ اور غضب یہ کہ بعض دفعہ تنہائی میں بھی اُن کے پاس آتی جاتی ہیں کہ کوئی محرم بھی اُس جگہ نہیں ہوتا۔ یہ کس قدر حیا سوز طریقہ ہے۔ بیبیو! پیر سے فقط دین کی تعلیم حاصل کر و۔ اس کے سوا خدمت وغیرہ کچھ نہ کرو۔ نہ اُس کے سامنے آؤ۔ نہ خط و کتابت کرو۔ بلکہ جو کچھ لکھوانا ہو اپنے مرد سے کہدو کہ وہ خود لکھدے اور اگر کبھی مجبوری کی حالت میں تم کو خود ہی خط لکھنا پڑے تو اُس میں اس بات کا ضرور لحاظ رکھو کہ خط لکھکر اپنے شوہر یا بھائی یا بیٹے کو دکھلا دیا کرو۔ اور پتہ کا لفافہ مرد ہی سے لکھوایا کرو۔ اس میں کوئی زیادتی نہ ہوگی اور نہ مردوں کو اس طرح خط و کتابت گراں ہوگی۔ اور اگر اس میں بھی اُن کے دل پر کچھ گرانی دیکھو تو خود ہرگز خط نہ لکھو بلکہ مرد ہی سے لکھوا دیا کرو مگر ان باتوں کی آجکل مطلق پرواہ نہیں بلکہ یہاں تک بے حیائی ہے کہ ایک عورت نے پیر کی شان میں عاشقانہ غزل لکھی

جس میں خط و خال اور فراق و وصال تک کا حال لکھا تھا اور وہ ایک پرچہ میں شائع ہوئی پرچہ میرے پاس آتا تھا جب میں نے یہ دیکھا تو مجھے سخت غصہ آیا اور اس پرچہ کا اپنے نام پڑنا بند کر دیا۔

صاحبو جس کا نام سلیقہ رکھا گیا ہے وہ تو بدون ان باتوں کے آتا نہیں مگر اس سلیقہ کے ساتھ عورتوں کی حیا اور عفت و اطاعت سے ہاتھ دھو لینا چاہئے اور اگر حیا اور عفت اور اطاعت چاہتے ہو تو یہ جواہر تو اُن ہی عورتوں میں پائے جاتے ہیں جن کو تم بدسلیقہ اور بے تمیز کہتے ہو اور قاعدہ ہے من ابتلی ببلیتین فلیختر اھونھما جو شخص دو بلاؤں میں پھنس جائے اُسے آسان صورت اختیار کرنا چاہئے۔ اب تم خود دیکھ لو کہ سلیقہ سکھا کر عورتوں کی آزادی اور بے حیائی اور دیدہ چشمی پر صبر آسان ہے یا بے سلیقہ رکھکر تھوڑی سی بے تمیزی پر صبر آسان ہے سو عقلاء اور شرفاء کے نزدیک تو بے تمیزی ہی پر صبر کر لینا آسان ہے۔ شریف آدمی عورت کی آزادی اور دیدہ چشمی پر ہرگز صبر نہیں کر سکتا۔ رہا یہ کہ عورتوں کی جہالت اور بدتمیزی سے دل تو دُکھتا ہے۔ کلفت تو بہت ہوتی ہے اور دل دُکھنا اچھا نہیں سو اس کا علاج یہ بھی تو ممکن ہے کہ ان کو دین کی کتابیں پڑھاؤ۔ اس سے اُن کو سلیقہ اور تمیز بھی بقدر ضرورت آجاتی ہے بلکہ اسکول کی تعلیم پانے والے سے زیادہ اُن میں تہذیب آجاتی ہے کیونکہ دین کی تعلیم سے اخلاق درست ہو جاتے ہیں۔ خدا کا خوف دل میں پیدا ہوتا ہے۔ شوہر کے حقوق پر اطلاع ہوتی ہے۔ باقی یہ ہرگز امید نہ رکھو کہ وہ بالکل تم جیسی ہو جائیں۔ کیونکہ ان میں جو خلقی کجی ہے وہ زائل نہیں ہو سکتی ہر گز تمہیں کی وہم کو جانے۔ بس ان نکلی ہیں رکھو مگر جب نکالو گے تیڑھی ہی ہوگی۔ تو مرد کو اتنا سخت مزاج نہ ہونا چاہئے کہ عورت کی ذرا ذرا سی بدتمیزی پر غصہ کیا کرے سو بعض دفعہ تو یہ وجہ ہوتی ہے مرد کی تلخی اور تند مزاجی کی یہ تو ایسی وجوہ ہیں جن میں کچھ عورت کے اختیار کو بھی دخل ہے اور کبھی غیر اختیاری باتوں پر غصہ کیا جاتا ہے۔ یہ تو نہایت سخت غلطی ہے مثلاً بعض لوگ بیوی سے کہتے ہیں کہ کم بخت تیرے کبھی اولاد ہی نہیں ہوتی تو اس میں وہ بیچاری کیا کرے اولاد کا ہونا کسی کے اختیار میں تھوڑا ہی ہے۔ بعض دفعہ بادشاہوں کے اولاد نہیں ہوتی حالانکہ وہ ہر قسم کی مقوی غذائیں اور مجبل دوائیں بھی استعمال کرتے ہیں۔ مگر پھر بھی خاک نہیں ہوتا یہ تو محض خدا تعالیٰ کے قبضہ و اختیار کی بات ہے اس میں عورتوں کا کیا قصور ہے بعض مردوں کو ہم نے دیکھا ہے کہ وہ بیوی سے اس بات پر خفا ہوتے ہیں کہ کم بخت تیرے تو لڑکیاں ہی لڑکیاں ہوتی ہیں سو اول تو اس میں اس کی کیا خطا ہے (بلکہ اطباء سے پوچھو تو شاید وہ اس میں آپ کا ہی قصور بتلائیں) دوسرے یہ ناگواری کی بات بھی نہیں کیونکہ ؎

آنکس کہ تو نگرت نمی گرداند	او مصلحت تو از تو بہتر داند

حضرت آپ کو خوب یاد ہوگا کہ حضرت خضر علیہ السلام نے جس لڑکے کو قتل کر دیا تھا اُس میں اُس کے لئے اور اُس کے والدین کیلئے مصلحت بھی تھی۔ مولینا فرماتے ہیں ؎

آں پسر را کش خضر ببرید حلق | سرِّ آں را در نیابد عام خلق

اسی طرح خضر علیہ السلام نے کشتی میں سوار ہو کر اس کا ایک تختہ توڑ دیا تھا بظاہر میں یہ کشتی کو عیب دار کرنا تھا
مگر اس میں بڑی مصلحت تھی مولانا فرماتے ہیں ؎

گر خضر در بحر کشتی را شکست | صد درستی در شکست خضر ہست

پھر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس لڑکے کے قتل ہونیکے بعد حق تعالیٰ نے اُس کے والدین کو ایک لڑکی
دی جسکی اولاد میں انبیاء ہوئے تو بتلائیے اگر آپ کے لڑکا ہوتا اور ویسا ہی ہوتا جیسا وہ لڑکا تھا جسے خضر علیہ السلام نے
مار ڈالا تھا تو آپ کیا کر لیتے یہ خدا کی بڑی مصلحت ہے کہ اُس نے آپکو لڑکیاں دیں کیونکہ عموماً لڑکیاں خاندان کو بدنام
نہیں کیا کرتیں اور والدین کی اطاعت بھی خوب کرتی ہیں اور لڑکے تو آجکل ایسے خود سر ہوتے ہیں کہ خدا کی پناہ اُنکے ہونے
سے تو نہ ہونا ہی بھلا تھا۔ اب آجکل اگر خضر علیہ السلام ایسے لڑکوں کو نہیں مارتے تو والد میاں تو ذبح کر سکتے ہیں۔ اور
لڑکے پیدا نہ کرنا یہ بھی ایک گونہ ذبح ہی کے مثل ہوا جسکو اللہ تعالیٰ کچھ بھی اولاد نہ دیں نہ لڑکا نہ لڑکی اُس کیلئے یہی مصلحت
ہے کہ وہ بندوں کے مصالح کو اُن سے زیادہ جانتے ہیں۔ دیکھئے آج ایک شخص بے فکری سے دین کے کام میں لگا ہوا ہے
کیونکہ اُسکے اولاد نہیں اب اگر اُس کے اولاد ہو جائے تو کیا خبر ہے اُسوقت یہ بے فکری رہے یا نہ رہے۔ اولاد کیساتھ ہزاروں
افکار لگے ہوئے ہیں۔ آج کسی کے کان میں درد ہے کسی کے پیٹ میں درد ہے کوئی گر پڑا ہے کوئی گم ہو گیا ہے اور ماں باپ پریشان
ہیں تو ممکن ہے خدا نے اُسکو اسی لئے اولاد نہ دی ہو کہ وہ اس کو آزاد رکھنا چاہتے ہیں۔ ایک مرتبہ جب میں حج کو حاضر ہوا تو
میرے گھر میں کی خالہ نے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ دعا کر دیجئے کہ اُسکے اولاد ہو۔ حضرت نے خلوت
میں مجھ سے فرمایا کہ تمہاری خالہ اولاد کیلئے دعا کو کہتی تھیں دعا سے کیا انکار ہے بھائی مجھے تو یہی بات پسند ہے کہ تم بھی
مجھ جیسے ہو پھر آپ نے اولاد کی مذمت بیان فرمائی کہ انکی وجہ سے یوں افکار پڑ جاتے ہیں اور بڑے جھگڑوں بتلاتے ہیں
میں نے کہا حضرت میں بھی پسند وہی کرتا ہوں جس کو آپ پسند کریں اس سے حضرت بہت خوش ہوئے اور واقعی جیسی
بے فکری نصیب آجکل ہے اولاد کیساتھ تھوڑا ہی ہو سکتی تھی۔ میرے بھائی ایک ظرافت کی کہانی سُناتے تھے ایک شخص نے
کسی صاحب عیال سے پوچھا کہ تمہارے گھر خیریت ہے تو بڑا خفا ہوا کہ میاں خیریت تمہارے یہاں ہوگی تم بددعا
دیتے ہو ہمارے یہاں خیریت کہاں ماشاء اللہ بیٹے ہیں بیٹیاں ہیں پھر اُن کے اولاد ہے سارا گھر بچوں سے بھرا ہوا
ہے آج کسی کے کان میں درد ہے۔ کسی کو دست آتے ہیں کسی کی آنکھ دکھ رہی ہے کوئی کھیل کود میں چوٹ کھا کر رو رہا
ہے خیریت ہوگی اُس کے یہاں جو منحوس ہو جس کے گھر میں کوئی بال بچہ نہ ہو۔ ہمارے یہاں خیریت کیوں ہوتی تو واقعی بچوں
کے ساتھ خیریت کہاں بچپن میں اُن کے ساتھ اس قسم کے رنج و افکار ہوتے ہیں اور جب وہ سیانے ہوئے تو اگر صالح ہوئے
تو خیر اور آجکل اسکی بہت کمی ہے ورنہ پھر جیسا وہ ناک میں دم کرتے ہیں معلوم ہے۔ پھر ذرا اور بڑے ہوئے جوان ہوگئے

تو اُن کے نکاح کی فکر ہے بڑی مصیبتوں سے نکاح بھی کر دیا تو اب یہ غم ہے کہ اس کے اولاد نہیں ہوتی۔ اللہ اللہ
کر کے تعویذوں گنڈوں اور دواؤں سے اولاد ہوئی تو بڑے میاں کی اتنی عمر ہوگئی کہ پوتے بھی جوان ہوگئے۔ اب بچہ بچہ
ان کو بات بات میں بے وقوف بناتا اور اُن کی خدمت سے اُکتاتا ہے۔ اور بیٹے پوتے منہ پر کوری کوری سُناتے ہیں
اور یہ بیچارے معذور ایک طرف پڑے ہیں۔ یہ اولاد کا پھل ہے۔ تو پھر خواہ مخواہ لوگ اسکی تمنائیں کرتے ہیں:
مجھے ایک لطیفہ یاد آیا کہ میرے اُستاد مولانا سید احمد صاحب دہلوی کے ماموں مولانا سید محبوب علی صاحب جعفری
کے اولاد نہ ہوتی تھی۔ ایک دفعہ وہ غمزدہ بیٹھے تھے میرے اُستاد نے پوچھا اور یہ اُنکے لڑکپن کا زمانہ ہے کہ آپ غمگین کیوں
ہیں۔ کہا مجھے اسکا رنج ہے کہ بڑھاپا آگیا اور میرے اب تک اولاد نہیں ہوئی۔ اُستاد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا سبحان اللہ
یہ خوشی کی بات ہے یا غم کی۔ اُنھوں نے کہا کہ یہ خوشی کی بات کیونکر ہے فرمایا یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے کہ آپ کے سلسلۂ نسل
میں آپ مقصود بالذات ہیں اور تمام آباؤ اجداد مقصود بالغیر بخلاف اولاد والوں کے کہ وہ خود مقصود نہیں ہیں بلکہ اُنکو
تو غیر کے واسطے پیدا کیا گیا۔ دیکھئے گیہوں دو قسم کے ہوتے ہیں ایک تو وہ جن کو کھانے کیلئے رکھا جاتا ہے۔ دوسرے وہ
جو تخم کیلئے رکھے جاتے ہیں تو ان دونوں میں مقصود وہ ہے جو کھانے کیلئے رکھا جاتا ہے۔ کھیت بونے سے مقصود وہی گیہوں ہیں
اور جس کو تخم کے واسطے رکھتے ہیں وہ مقصود نہیں بلکہ وہ واسطہ ہیں مقصود کے اسی طرح جس کے اولاد نہ ہو آدم علیہ السلام
سے لیکر اس وقت تک ساری نسل میں مقصود وہی تھا اور سب اس کے وسائط اور مقدمات تھے اور جن کے اولاد ہوتی
ہے وہ خود مقصود نہیں ہیں بلکہ تخم کی واسطے رکھے گئے ہیں تو واقعی ہے یہ علمی مضمون بے اولادوں کو اپنی حسرت اس
مضمون کو سوچ کر مٹا لینی چاہئے اور اگر اس سے بھی حسرت نہ جائے تو دنیا کی حالت کو دیکھکر تسلی کر لیا کریں کہ جنکے اولاد
ہے وہ کس مصیبت میں گرفتار ہیں اور اس سے بھی تسلی نہ ہو تو یہ سمجھ لے کہ جو خدا کو منظور ہے وہی میرے واسطے خیر ہے۔
نہ معلوم اولاد ہوتی تو کیسی ہوتی اور یہ بھی نہ کر سکے تو کم از کم یہ تو سمجھے کہ اولاد نہ ہونے میں بیوی کی کیا خطا ہے بعض لوگ محض
اتنی بات پر کہ اولاد نہیں ہوتی دوسرا نکاح کر لیتے ہیں۔ حالانکہ دوسرا نکاح کرنا اس زمانہ میں اکثر حالات میں زیادتی ہے
کیونکہ قانون شرعی یہ ہے۔ فان خفتم ان لا تعدلوا فواحدۃ او ما ملکت ایمانکم کہ اگر متعدد بیویوں میں عدل
نہ ہو سکنے کا اندیشہ ہو تو صرف ایک عورت سے نکاح کرو۔ یا کچھ باندیاں خرید لو۔ اور ظاہر ہے کہ آجکل طبائع کی خصوصیات
سے عدل نہیں ہو سکتا ہم نے تو کسی مولوی کو بھی نہیں دیکھا جو دو بیویوں میں پورا پورا عدل کرتا ہو۔ دنیادار تو کیا ہی
کرینگے۔ بس یہ ہوتا ہے کہ دوسرا نکاح کر کے پہلی کو معلق چھوڑ دیتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ طبائع میں آجکل انصاف و
رحم کا مادہ بہت کم ہے۔ تو آجکل کے اعتبار سے تو عدل قریب قریب قدرت سے خارج ہے۔ پھر جس غرض کے لئے
دوسرا نکاح کیا جاتا ہے اُس کا کیا بھروسہ ہے کہ دوسرے نکاح سے وہ حاصل ہو ہی جائیگی ممکن ہے کہ اس سے بھی
اولاد نہ ہو تو پھر کیا کروگے۔ بلکہ میں نے یہ دیکھا ہے کہ ایک شخص نے اپنی بی بی کو بانجھ سمجھ کر دوسرا نکاح کیا اور نکاح

کے بعد ہی پہلی بیوی کے اولاد ہوئی توخواہ مخواہ ایک محتمل امر کیلئے اپنے کو عدل کی مصیبت میں گرفتار کرنا اچھا نہیں۔ اور جو عدل نہ ہو تو پھر دنیا و آخرت دونوں کی مصیبت سر پر ہی۔ لوگ زیادہ تر اولاد کیلئے ایسا کرتے ہیں اور اولاد کی تمنا اس لئے ہوتی ہے کہ نام باقی رہے۔ تو نام کی حقیقت سُن لیجئے کہ ایک مجمع میں جاکر ذرا لوگوں سے پوچھئے تو پردادا کا نام بہت سوں کو معلوم نہ ہوگا۔ جب خود اولاد ہی کو اپنے پردادا کا نام معلوم نہیں تو دوسروں کو خاک معلوم ہوگا۔ تو بتلائیے نام کہاں رہا۔ صاحب نام اس سے چلتا ہے۔ واجعل لی لسان صدق فی الاٰخرین۔ خدا کی فرماں برداری کرو۔ اس سے نام چلے گا۔ اولاد سے نام نہیں چلا کرتا۔ بلکہ اولاد نالائق ہوئی تو اُلٹی بدنامی ہوتی ہے۔ اور نام چلا بھی تو نام چلنا ہی کیا چیز ہے جسکی تمنا کی جائے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو اسکی تمنا کی ہے تو اس سے صرف نام کا چلنا مقصود نہ تھا بلکہ اُن کا مقصود یہ تھا کہ لوگ ہماری اقتدا کرینگے اور ہم کو ثواب ہوگا اسی لئے اس کیساتھ فرماتے ہیں واجعلنی من ورثۃ جنۃ نعیم کہ اے اللہ مجھے جنت کے وارثوں میں کر دیجئے تو اصل نام چلنا تو یہ ہے کہ قیامت میں رسوائی نہ ہو اور وہاں اعمال صالحہ کی بدولت علی رؤس الاشہاد تعریف ہو اور یہ بات اولاد سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ بلکہ نیک اعمال سے حاصل ہوتی ہے۔ اس میں کوشش کرنا چاہئے اور یوں کسی کو طبعی طور پر اولاد کی بھی تمنا ہو تو میں اسکو بُرا نہیں کہتا کیونکہ اولاد کی محبت انسان میں طبعی ہے۔ چنانچہ بعض لوگ جنت میں بھی اولاد کی تمنا کریں گے۔ حالانکہ وہاں نام کا چلنا بھی مقصود نہ ہوگا۔ کیونکہ جنت کے رہنے والے کبھی فنا ہی نہ ہوں گے بلکہ وہاں اس تمنا کا منشا محض طبعی تقاضا ہوگا۔ تو میں اس سے منع نہیں کرتا۔ میرا مقصود یہ ہے کہ اس طبعی تقاضے کی وجہ سے عورت کی خطا نکالنا کہ تیرے اولاد نہیں ہوتی یا لڑکیاں ہی ہوتی ہیں بڑی غلطی ہے اور اس قسم کے غیر اختیاری جرائم نکال کر اُن سے خفا ہونا اور اُن پر زیادتی کرنا ممنوع ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں فان کرھتموھن فعسیٰ ان تکرھوا شیئا ویجعل اللہ فیہ خیراً کثیراہ یہ کیسے معاملہ کی بات ارشاد فرمائی ہے۔ مردوں کو اس میں غور کرنا چاہئے حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر تم اپنی بیبیوں سے (کسی بنا پر) کراہت کرتے ہو تو یہ سمجھ لو کہ بہت قریب ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرتے ہو اور حق تعالیٰ نے اُس میں بہت بڑی مصلحت رکھی ہو شاید کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا ہو کہ اولاد کے ہونے نہ ہونے میں تو مصلحت ہو سکتی ہے (جیسا کہ اوپر کچھ اسکا بیان بھی ہوا ہے) مگر عورت کی بدتمیزی اور زبان درازی کی وجہ سے جو نفرت ہوتی ہے تو اسمیں کیا مصلحت ہو سکتی ہے تو اس لئے کہ اس میں مرد کیلئے مصلحت ہوتی ہے ایک تو یہ کہ اسکی ایذاؤں پر صبر کرنے سے اُس کے درجے بلند ہوتے ہیں۔ دوسرے اس سے مزاج میں تحمل پیدا ہو جاتا ہے اور بردباری اخلاق حمیدہ میں سے ایک اعلیٰ خلق ہے۔ حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ کی بی بی بڑی بدمزاج تھیں اور آپ ایسے نازک مزاج تھے کہ ایک دفعہ حضرت کی ایک مریدنی جو بُڑھیا تھی ایک رزائی آپ کیلئے سی کر لائی اُس وقت آپ لیٹ رہے تھے۔ فرمایا کہ میرے اوپر ڈالکر چلی جاؤ۔ چنانچہ اُس نے آپکے اوپر ڈالدی۔ صبح کو جو اُٹھے تو آنکھیں سُرخ تھیں۔ خدام نے وجہ دریافت کی فرمایا کہ رات نیند نہیں آئی۔ خدام نے کہا کیا سردی معلوم ہوئی تھی

فرمایا نہیں سردی تو رزائی سے دفع ہو گئی تھی۔ مگر رزائی میں نگندے ٹیڑھے پڑے ہوئے تھے اُنکی وجہ سے طبیعت کو اُلجھن رہی اور نیند نہ آئی۔ تو خیال کیجئے کہ رات کو اندھیرے میں مُنہ لپیٹے ہوئے نگندے نظر نہ آتے تھے۔ مگر آپکو اوڑھتے ہی سے اس کا احساس ہوا تو یہ کس قدر لطافت مزاج تھی کہ محض کپڑے کے بدن پر پڑنے سے بدون دیکھے نگندوں کا ٹیڑھا ہونا معلوم ہو گیا پھر اس سے اتنی اُلجھن ہوئی کہ رات بھر نیند بھی نہ آئی۔ اتنے تو آپ نازک مزاج تھے۔ مگر صبور ایسے کہ بیوی نہایت بدمزاج ملی تھی جو آپکو نہایت کوری کوری سُناتی تھی اور آپ اسکی سب باتیں سہتے تھے کبھی طلاق کا خیال نہ کیا نہ اپنی طرف سے کچھ ایذا دی۔ بلکہ اس قدر خاطر داری کرتے تھے کہ صبح کو روزانہ خادم کو بھیجا کرتے کہ بیگم صاحبہ کا مزاج پوچھکر آئے۔ خادم جاتا اور مرزا صاحب کی طرف سے مزاج پُرسی کرتا اور وہ حضرت کو بُرا بھلا کہتی تھیں۔ خادم یہاں آکر کچھ عرض نہ کرتا بس اتنا کہہ دیتا کہ حضرت وہ اچھی طرح ہیں۔ ایک مرتبہ کوئی آغا سرحدی خادم تھے انکو بھی حسب معمول بی بی صاحبہ کی مزاج پرسی کیلئے بھیجا گیا۔ اُس نے آغا کے سامنے بھی مرزا صاحب کو خوب بُرا بھلا کہا۔ یہ سرحدی پٹھان تھے اُن کو غصہ آگیا اور حضرت سے آکر عرض کیا کہ وہ تو آپکو بہت بُرا بھلا کہتی ہیں پھر آپ ہی اتنی خاطر کیوں کرتے ہیں فرمایا بھائی اُنکی باتوں کا بُرا نہ مانو۔ تمھاری تو وہ بزرگ ہیں۔ اور میں اسلئے اُنکی خاطر کرتا ہوں کہ میری وہ بڑی محسن ہیں۔ مجھ میں یہ سب کمالات اسی کی بدولت ہیں۔ اللہ اکبر اتنے نازک مزاج کو بیوی کی بدتمیزیوں سے کتنی ایذا ہوتی ہوگی۔ مگر کمال یہ کہ پھر بھی صبر کرتے ہیں سہ

شنیدم کہ مردانِ راہِ خدا — دلِ دشمناں ہم نہ کردند تنگ
ترا کے میسر شود ایں مقام — کہ با دوستانت خلاف است وجنگ

اہل اللہ نے تو دشمنوں کا دل بھی تنگ نہیں کیا۔ افسوس ہم سے دوستوں کی ایذا بھی برداشت نہیں کی جاتی جن میں بیوی سب سے زیادہ دوست ہے اسکی ایذا کا بھی ہم سے تحمل نہیں ہوتا اگر ثواب حاصل کرنیکو تحمل نہیں کرتے یہی سمجھ کر تحمل کر لو کہ مجھ سے کوئی گناہ ہوا ہوگا اسکا اس سے کفارہ ہو رہا ہے جیسا لکھنؤ میں ایک مرد و عورت کی میں نے حکایت سُنی کہ مرد تو بہت ہی بزرگ تھے اور بیوی بہت ہی بدمزاج تھیں ایک دن اُنھوں نے بیوی سے کہا کہ تو بڑی کم بخت ہے کہ تجھے میرے پاس رہتے ہوئے اتنا زمانہ گذر گیا اور ابتک تیری اصلاح نہیں ہوئی۔ تو بیوی نے کہا میں کمبخت کیوں ہوتی مجھ سے زیادہ تو کوئی بھی سعادتمند نہ ہوگی کہ مجھے تم جیسا مرد ملا۔ کم بخت تو تم ہو کہ تم کو ایسی عورت ملی۔ اسی طرح کتابوں میں ایک مرد و عورت کی حکایت لکھی ہے کہ مرد تو نہایت حسین تھا اور عورت نہایت بدصورت اور اسکی ساتھ وہ بدمزاج بھی تھی آجکل ایسا ہو تو مرد ایک ہی دن میں طلاق دیکر الگ ہو جائے مگر وہ اللہ کا بندہ اسکی سب باتوں پر صبر کرتا تھا کسی نے اُس سے کہا کہ تم اس بیوی کو طلاق کیوں نہیں دیدیتے۔ کہا نہیں میں طلاق کیونکر دیدوں۔ بات یہ ہے کہ مجھ سے کوئی گناہ ہو گیا تھا خدا نے اسکی سزا میں مجھے ایسی بیوی دیدی۔ اور اس سے کوئی نیک کام ہو گیا ہوگا اسکے صلہ میں خدا نے اسکو مجھ جیسا حسین مرد دیا۔ تو میں اس کا ثواب ہوں اور وہ میرا عذاب ہے۔ پھر طلاق کی کیا وجہ۔ تو بزرگوں نے اپنے دلوں کو یوں سمجھا لیا ہے اور کبھی

عورتوں کی بے عنوانیوں سے انکو اپنے سے الگ نہیں کیا اور ہمیشہ تحمل فرماتے رہے۔ تو اگر بیوی کی واقعی خطا بھی ہو جب بھی اس سے درگذر کرنا چاہئے۔ اس تحمل سے دین کا بڑا بھاری نفع ہوتا ہے اور بہت اجر ملتا ہے۔ بعضے مرد اس طرح عورتوں کا حق ضائع کرتے ہیں کہ بے حمیت بنکر اپنے آپکو راحت دیتے ہیں عمدہ کھاتے اور عمدہ پہنتے ہیں اور بیوی بچوں کو تکلیف میں رکھتے ہیں ان کے بارہ میں شیخ سعدی فرماتے ہیں ؎

بہیں آں بے حمیت را کہ ہرگز ۔ نخواہد دید روئے نیک بختی
تن آسانی گزیند خویشتن را ۔ زن و فرزند بگذارد بسختی

یہ بہت ہی بے غیرتی کی بات ہے کہ مرد تو خود بنا ٹھنا رہے۔ اور بیوی کو بھنگنو کی طرح رکھے کہ نہ اُسکے کپڑے کا خیال ہے نہ کھانے کا۔ حالانکہ زینت و آرائش کی مستحق زیادہ تر عورت ہے مردوں کو زیادہ زینت زیبا نہیں ہے۔ بعضے مرد ایسے گندہ طبیعت کے ہوتے ہیں کہ فاحشہ عورتوں میں آوارہ پھرتے ہیں اور اُنکے گھروں میں حور کے مانند بیویاں موجود ہوتی ہیں مگر وہ بیکار پڑی رہتی ہیں اُنکی طرف رُخ بھی نہیں کیا جاتا اور ہندوستان کی عورتیں صابر و شاکر ہیں کہ وہ سوائے رونے دھونے کے اور کچھ نہیں کرتیں کسی سے اپنے مرد کا بھید نہیں کھولتیں۔ اس پر ایک قصہ یاد آیا کہ بھوپال میں ہمارے وطن کے ایک بزرگ تھے جو تحصیلدار بھی تھے اور اُنکی بیوی بہت ہی مسرف اور کم عقل تھی۔ مگر تحصیلدار صاحب کی یہ حالت تھی کہ جب اُسکی باتیں بیان کرتے تو یوں کہا کرتے تھے کہ میری باولی کی یہ بات ہے۔ آج میری باولی نے یوں کہا غرض میری باولی کہکر نام لیتے تھے۔ کسی نے کہا حضرت آپ تو اپنی بیوی سے بہت ہی محبت کرتے ہیں حالانکہ وہ بہت ہی بے تمیز اور تکلیف دہ ہے۔ فرمایا کہ بھائی شریف عورتوں میں جہاں بہت سے نقائص ہیں وہاں ایک جوہر ایسا ہے کہ اگر انکو ایک کونہ میں بٹھلا کر کوئی سفر میں چلا جائے اور بیس برس کے بعد آوے تو اسی کونہ میں ساتھ آبرو و عزت کے بیٹھا پاویگا۔ اس خوبی کی وجہ سے میں اسکی قدر کرتا ہوں۔ واقعی ہندوستان کی بیبیاں تو اکثر ایسی ہی ہیں کہ انکو اپنے کونے کے سوا دنیا کی کچھ خبر نہیں ہوتی چاہے اُن پر کچھ ہی گذر جاوے۔ مگر اپنے کونے سے الگ نہیں ہوتیں۔ بس انکی وہ شان ہے جو حق تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے۔ المحصنات الغافلات المؤمنات۔ یعنی پاکدامن ہیں اور بھولی ہیں۔ چالاک نہیں ہیں۔ اسمیں غافلات کا لفظ ایسا پیارا معلوم ہوتا ہے۔ کہ واقعی نقشہ کھینچ دیا۔ اور یہ صفت عورتوں کا اندر پردہ کی وجہ سے ہوتی ہے کہ اُنکو اپنی چار دیواری کے سوا دنیا کی کچھ خبر نہیں ہوتی جسکو آجکل کہا جاتا ہے کہ عورتوں کے پردہ نے مسلمانوں کا تنزل کر دیا۔ کیونکہ عورتوں کو قید میں رہنے کی وجہ سے دنیا کی کچھ خبر نہیں ہوتی نہ صنعت و حرفت سیکھتی ہیں نہ علوم و فنون سے آگاہ ہیں۔ بس کمانیکا سارا بوجھ مردوں پر رہتا ہے دوسری قوموں کی عورتیں خود بھی صنعت و حرفت سے کماتی رہتی ہیں۔ تو صاحبو! میں کہتا ہوں کہ حق تعالیٰ نے تو عورتوں کو موقع مدح میں بے خبر فرمایا ہے تو ہزار خبرداریاں اس بیخبری پر قربان ہیں جب حق تعالیٰ عورتوں کے بھولے پن اور بیخبری کی تعریف فرماتے ہیں تو سمجھ لو اسی میں خیر ہے اور اس خبرداری میں خیر نہیں جسکو تم تجویز کرتے ہو۔ تجربہ خود بتلا دیگا اور جو قرآن کو نہ مانیگا اُسے

اُسے زمانہ ہی خود بتلا دیگا۔ تمام دنیا کی قومیں اس پر متفق ہیں کہ قرآن کی برابر کسی کتاب کی تعلیم نہیں ہے تو قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ عورتوں کیلئے غافل و بے خبر ہونا ہی اچھا ہے یہ صفت ہندوستان کی عورتوں میں بے نظیر ہے کہ خاوند کے کونہ سے الگ ہونا انکو گوارا نہیں ہوتا۔ میری ایک تائی تھیں (یعنی بڑی چچی) وہ جوانی ہی میں بیوہ ہو گئی تھیں۔ مگر ساری عمر خاوند ہی کے کونہ میں گذار دی اخیر میں انکی بہت عمر ہو گئی تھی۔ نگاہ بھی کم ہو گئی تھی۔ پاس کوئی رہنے والا بھی نہ تھا۔ مگر اپنے کونہ سے الگ نہ ہوتی تھیں وہ مجھے بہت چاہتی تھیں میں نے ہر چند اصرار کیا کہ تم میرے گھر میں آجاؤ یہاں اکیلی پڑی ہوئی کیا لیتی ہو۔ تو یہ فرمایا کہ بچہ جہاں ڈولی آئی تھی وہیں سے کھٹولی نکلے گی۔ میں نے کہا کہ اگر تم یہی چاہتی ہو تو مرنیکے بعد تمہارا پلنگ اسی گھر میں لا کر پھر یہاں سے نکالینگے۔ مگر صاحب انھوں نے ایک نہ سُنی تمام عمر وہیں رہیں اور اپنے حد اختیار تک وہاں سے جدا نہ ہوئیں۔ پھر جب سخت مریض ہو گئیں تو اس حالت میں ہم لوگ اُنکو اپنے گھر اُٹھا لائے۔ کیونکہ اُنکا مکان فرا دور تھا ہر وقت نگہداشت مشکل تھی اور مکان انکا اتنا وسیع نہ تھا جس میں اور مستورات جا کر رہ سکتیں۔ تو واقعی ہندوستان کی عورتوں میں جہاں بے تمیزی وغیرہ ہے وہاں یہ خوبیاں بھی تو ہیں انکو بھی تو دیکھنا چاہئے ؎ عیب می جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو۔ دتعلیم یافتہ قوموں کی عورتوں میں جو خوبیاں سلیقہ و تمیز کی بیان کی جاتی ہیں وہ تو مکتسب اُمور ہیں جو دوسری عورتیں بھی تعلیم سے حاصل کر سکتی ہیں۔ اور ہندوستان کی عورتوں میں جو خاص خوبیاں ہیں وہ فطری ہیں کہ تعلیم وغیرہ سے حاصل نہیں ہو سکتیں ۱۲) اور ان خوبیوں کا مقتضا یہ ہے کہ بیبیوں پر رحم کرو اور اُن سے بے پروائی اختیار نہ کرو اور بڑی بات یہ ہے کہ وہ تمہاری خادم ہیں طرح طرح سے تم کو آرام پہنچاتی ہیں اور ؎

آں زاکہ بجائے تست ہر دم کرمے ۔ عذرش بنہ ار کند بعمرے ستمے

جس نے سو دفعہ آرام پہنچایا ہو اُسکے ہاتھ سے ایک دفعہ تکلیف بھی پہنچ جائے تو اُسکو زبان پر نہ لانا چاہئے ہماری پیرانی صاحبہ اخیر میں بہت معذور ہو گئی تھیں تو حضرت کی ایک خادمہ گھر کے کاروبار کیلئے یہاں سے مکہ معظمہ پہنچ گئیں اور سارا کام اپنے ذمہ لے لیا مگر وہ خادمہ بڑی تُند مزاج تھیں پیرانی صاحبہ سے لڑا کرتی تھیں۔ ایک دفعہ پیر کے گھر میں پیرانی صاحبہ سے کہنے لگیں کہ حضرت یہ آپ سے لڑتی ہیں اور آپ انکو کچھ نہیں فرماتیں نہ گھر سے الگ کرتی ہیں۔ تو فرمایا کہ یہ راحت بھی بہت دیتی ہیں اور جو شخص راحت بہت دیتا ہو اُسکی بے عنوانیوں پر صبر نہ کرنا بے مروتی ہے اسلئے جب مجکو ستاتی ہے تو میں اسکی راحتوں کو یاد کرکے سب معاف کر دیتی ہوں۔ حضرت پیرانی صاحبہ نہایت خلیق اور بہت ہی عالی فہم تھیں۔ صاحبو! جب ایک بی بی اتنی فہیم تھیں تو ہم کو مرد ہو کر ضرور فہم سے کام لینا چاہئے اور اپنی بیبیوں کی راحت رسانی پر نظر کرکے اُنکی بے تمیزیوں کا تحمل کرنا چاہئے۔ یہ عورتوں کے حق دنیویہ ہیں اور اس سے پہلے جو حقوق بیان ہوئے وہ دینی حقوق تھے۔ افسوس ہم دینی حقوق تو کیا ادا کرتے دنیوی حقوق پر بھی ہم کو توجہ نہیں چنانچہ نہ بیوی کی نماز پر توجہ ہے نہ روزہ پر ان باتوں کو اُنکے کانوں میں ڈالتے ہی نہیں۔ یاد رکھو قیامت میں تم سے اسکی بازپرس ہوگی

کہ تم نے بیوی بچوں کو دیندار بنانے کی کتنی کوشش کی تھی. مگر اسکا یہ مطلب نہیں کہ نماز کیلئے ان پر حد سے زیادہ سختی کرو ہر وقت ہاتھ میں لٹھ ہی لئے رہو بلکہ اول نرمی سے سمجھاؤ. پھر برتاؤ میں ذرا ناراضی اور رنج ظاہر کرو. انشاء اللہ اس کا اچھا اثر ہوگا اور انکو اُردو میں دینی رسالے پڑھاؤ. لکھاؤ اس سے اُن کے اخلاق بھی درست ہو جائیں گے اور دین کا خیال خود بخود ہوگا اور پڑھنے پر آمادہ نہ ہوں تو اس صورت کیلئے میں نے بہت جگہ یہ طریقہ بتلایا ہے کہ تم ایک وقت مقرر کرکے اول سے اخیر تک بہشتی زیور سارا سُنا دو. اور پہلے پہل بی بی سے یہ بھی نہ کہو کہ یہاں بیٹھ کر سُنتی رہو بلکہ خود بلند آواز سے پڑھنا شروع کرو. انشاء اللہ وہ خود شوق سے آکر سُنے گی چنانچہ اس طرح عمل کرنے سے فوراً ساری شکائتیں جاتی رہیں. عورتوں کے دل پر اثر بہت جلدی ہوتا ہے. اگر ان کو دین کی کتابیں سُنائی جائیں تو انشاء اللہ بہت جلد اصلاح ہو جائیگی مرد اپنی بیبیوں کی شکائتیں تو کرتے ہیں کہ ایسی بے تمیز اور ایسی جاہل ہیں مگر وہ اپنے گریبان میں مُنہ ڈال کر تو دیکھیں کہ اُنھوں نے اُن کے ساتھ کیا برتاؤ کیا. بس یہ اپنی راحت ہی کے اُن سے طالب ہیں اور اُن کے دین کا ذرا بھی خیال نہیں کیا جاتا. ایک شخص نے خوب کہا ہے کہ مقرب کی بے تمیزی اور بے وفائی بادشاہ کی بے تمیزی یا غفلت کی دلیل ہے تو عورتوں کی خطا ہے ہی مگر ان کی بے تمیزی میں مَردوں کی بھی خطا ہے کہ یہ اُن کے دین کی درستی کا اہتمام نہیں کرتے. اور اُن کے دینی حقوق کو تلف کرتے ہیں. حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اجلاس میں ایک باپ اور بیٹے کا مقدمہ پیش ہوا. باپ نے بیٹے پر دعوی کیا تھا کہ یہ میرے حقوق ادا نہیں کرتا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لڑکے سے جواب طلب کیا. اُس نے کہا کہ حضور کیا باپ ہی کے حقوق بیٹے پر ہیں یا بیٹے کا بھی باپ پر کچھ حق ہے آپ نے فرمایا کہ بیٹے کا حق بھی باپ پر ہے. ایک یہ کہ شریف عورت سے نکاح کرے کہ اولاد اچھی ہو اور نام اچھا رکھے کہ اس کی برکت ہو اور اس کو علم دین سکھائے. وہ بولا کہ اُن سے دریافت کیا جائے کہ اُنھوں نے باپ ہو کر میرے کیا حقوق ادا کئے ہیں. ایک حق تو اُنھوں نے یہ ادا کیا کہ میری ماں لونڈی تھی جن کے اخلاق جیسے ہوتے ہیں معلوم ہے. دوسرا یہ حق ادا کیا کہ میرا نام جُعل رکھا جس کے معنی ہیں گُو کا کیڑا. تیسرا حق یہ کہ مجکو ایک بھی دین کی بات نہیں سکھلائی. حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مقدمہ خارج کر دیا اور باپ سے فرمایا تو نے اس سے زیادہ اس کی حق تلفی کی ہے. جاؤ اپنی اولاد کے ساتھ ایسا برتاؤ نہ کیا کرو. اسی طرح ہماری حالت ہے کہ ہم بیویوں کی شکایت تو کرتے ہیں. مگر یہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے بیویوں کا کونسا حق ادا کیا ہے. چنانچہ ان کا ایک حق یہ تھا کہ اُن کے دین کا خیال کرتے. ان کو احکام الٰہیہ بتلاتے. دوسرا حق یہ تھا کہ معاشرت میں اُن کے ساتھ دوستانہ برتاؤ کرتے باندیوں اور نوکروں کا سا برتاؤ نہ کرتے. مگر ہم نے سب حقوق ضائع کر دیئے.

آب رہ گئی عورتیں ان سے بھی دو قسم کی کوتاہیاں ہوتی ہیں ایک کوتاہی تو وہ دنیوی حقوق میں کرتی ہیں. وہ یہ کہ بعض عورتیں خاوندوں کی اطاعت و خدمت میں کمی کرتی ہیں. بعض عورتیں مرد کی خدمت ماماؤں پر ڈالدیتی ہیں. خود اس کے کاموں کا اہتمام نہیں کرتیں. بعض عورتیں مَردوں سے خرچ بہت مانگتی ہیں چنانچہ ایک بی بی

کہتی ہیں کہ ہماری حالت تو دوزخ کی سی ہے. جیسے اس کا پیٹ نہیں بھرتا ہر دم هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ہی کہتی رہتی ہے. اسی طرح روپے. کپڑے. زیور وغیرہ سے ہمارا پیٹ ہی نہیں بھرتا کتنا ہی دو مگر سب خرچ ہو جاتا ہے مولوی عبدالرب صاحب واعظ دہلوی کا ایک لطیفہ ہے کہ عورتوں کے پاس چاہے کتنے ہی کپڑے ہوں مگر جب پوچھو یہی کہیں گی کہ کیا ہیں دو چیتھڑے اور جوتوں کے دو چار جوڑے دھرے ہوں گے. مگر جب پوچھو یہی کہیں گی کیا ہیں دو لیترے اور برتن کتنے ہی صندوق بھرے ہوں گے مگر یہی کہیں گی کیا ہیں. دو ٹھیکرے. اُنھوں نے تو قافیہ بھی ملایا ہے. مگر حقیقت میں ہے یہی حالت. ان کا زیور. کپڑے اور برتنوں سے کبھی جی نہیں بھرتا. اور ہمیشہ اپنی چیز کو کم ہی بتلائیں گی کہ میرے پاس کیا ہے کچھ بھی نہیں. ناشکری کا مادہ ان میں بہت ہی زیادہ ہے حدیث میں بھی عورتوں کی اس صفت کا ذکر آیا ہے. حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار عورتوں کو خطاب کرکے فرمایا تکثرن اللعن وتکفرن العشیر کہ تم لعنت اور پھٹکار بہت کرتی ہو اور خاوند کی ناشکری کرتی ہو. ایک حدیث میں ہے. اگر تم عورت کے ساتھ عمر بھر احسان اور بھلائی کرتے رہو. پھر کبھی کوئی بات اس کے خلاف مزاج ہو جائے تو صاف یوں کہے گی مارأیت منک خیرا قط کہ میں نے تجھ سے کبھی بھلائی نہیں دیکھی ساری عمر کے احسان کو ایک منٹ میں بھُلا دیتی ہیں. بعضی عورتیں یہ کرتی ہیں. کہ وہ خاوند کے گھر میں آتے ہی ماں باپ سے اُنکو جُدا کرنا چاہتی ہیں. یہ ضرور ہے کہ اس زمانہ میں مناسب یہی ہے کہ نکاح ہوتے ہی جوان اولاد ماں باپ سے علیحدہ علیحدہ رہیں اسی میں جانبین کو راحت ہوتی ہے. میں نے میرٹھ میں ایک گھرانے کی حالت دیکھی کہ ان میں باہم ہمیشہ لڑائی رہتی تھی. اس گھر کے ایک مرد کو مجھ سے تعلق تھا. اُن کا خط میرے پاس آیا. جس میں دو شکائتیں لکھی تھیں. ایک یہ کہ میں اپنے گھر کے مردوں اور عورتوں کو دین کی باتیں بتلاتا ہوں وہ مانتے نہیں ہیں دوسری یہ شکایت لکھی تھی کہ گھر میں روزانہ لڑائی رہتی ہے میں نے لکھا آپ کی دونوں شکایتوں کا علاج اس شعر میں ہے

کار خود کن کار بیگانہ مکن (ترجمہ) اپنا کام کرو اور غیروں کے کام میں (ایسے) نہ پڑو کہ اپنا بھی کام چھوٹ جائے)

اس مصرعہ میں تو اسکا جواب ہے کہ وہ دین کی باتیں سُن کر عمل نہیں کرتے سو اس کے متعلق دستور العمل یہ رکھو کہ تم نصیحت کرکے اپنے کام میں لگو. آگے وہ جانیں ان کا کام. تم کیوں فکر میں پڑے اور دوسری شکایت کا جواب اس مصرعہ میں ہے ع

در زمین دیگراں خانہ مکن. (ترجمہ) دوسرے کی جگہ میں گھر نہ بناؤ

کہ غیر کی زمین میں گھر نہ بساؤ. میں نے لکھا کہ تم اسی وقت کوئی مکان کرایہ پر لیکر الگ رہنے لگو. چنانچہ اُنھوں نے اس پر عمل کیا اور الگ مکان میں رہنے لگے. بس اسی روز سے امن و امان ہو گیا. اُنکے والد صاحب بہت بھولے ہیں وہ کہتے تھے کہ آپس میں چھُری کٹارے چلے مگر سب ایک ہی جگہ رہیں. مگر آجکل میں اس رائے کے خلاف ہوں میری رائے یہ ہے کہ نکاح کے بعد اولاد کی اور ماں باپ کی معاشرت الگ الگ ہونی چاہئیے تو ہر چند کہ مناسب یہی ہے مگر جُدا ہونیکا

بھی تو طریقہ ہے۔ بے طریقہ جُدا کرنے کا عورت کو کیا حق ہے بعض عورتوں کی یہ عادت ہے کہ وہ خاوند کے ساتھ زبان درازی سے پیش آتی ہیں۔ اس کے سامنے خاموش ہی نہیں ہوتیں۔ حتیٰ کہ بعض خاوند مارتے بھی ہیں مگر یہ چپ نہیں ہوتیں۔

مجھے ایک حکایت یاد آئی کہ ایک عورت ایسی زبان دراز تھی اور اس کا خاوند اس کو بہت مارتا تھا یہ عورت ایک بزرگ کے پاس گئی کہ مجھے ایسا تعویذ دیدیجئے جس کے اثر سے میرا خاوند مجھے مارا نہ کرے۔ وہ بزرگ تھے بہت عاقل وہ سمجھ گئے کہ یہ زبان درازی کرتی ہوگی۔ اس لئے پٹتی ہے۔ آپنے فرمایا کہ اچھا تم تھوڑا پانی لے آؤ میں اُسے پڑھدونگا چنانچہ پڑھدیا۔ اور فرمایا کہ جب خاوند غصہ ہو کرے تو اس میں سے ایک چلو مُنہ میں گھونٹ لیکر بیٹھ جایا کرو۔ انشاء اللہ پھر نہیں ماریگا۔ چنانچہ وہ ایسا ہی کرتی اور منہ میں گھونٹ لیکر بیٹھ جایا کرتی۔ اب ساری زبان درازی جاتی رہی بیچاری بولے کیونکر مُنہ کو تو تالا لگ گیا آخر تھوڑے دنوں میں میاں راضی ہوگیا۔ حقیقت میں خوب علاج کیا۔ غرض عورتوں میں زبان درازی کا بڑا مرض ہے۔ اور یہ ساری خرابی تکبر کی ہے۔ عورتیں یہ چاہتی ہیں کہ ہم ہاریں نہیں تاکہ ہیٹی نہ ہو۔ چنانچہ شوہر سے لڑ جھگڑ کر اپنی ہمجولیوں میں بیٹھ کر فخر کرتی ہیں۔ کہ دیکھا ہم کیسا مرد کو ہرا کر آئے ہیں۔ حالانکہ مردوں اور عورتوں میں قدرتی فرق ہے۔ یہ کسی طرح مردوں کی برابری نہیں کرسکتیں۔ عقل ان میں کم، برداشت کی قوت انمیں کم، قُویٰ اُن کے کمزور اسلئے یہ جلدی ضعیف بھی ہوجاتی ہیں۔ جب خدا نے تم کو ہر بات میں مردوں سے کم رکھا ہے تو آخر کس بات میں تم مساوات کی مدعی ہو اور آجکل بعض قومیں مساوات کی بہت مدعی ہیں وہ عورتوں کو مردوں کی برابر کرنا چاہتے ہیں مگر کسی نے کر تو نہ لیا۔ چنانچہ آجکل اس دعویٔ مساوات کی بنا پر عورتیں پارلیمنٹ کی ممبری کا دعویٰ کررہی ہیں مگر کوئی پوچھتا بھی نہیں۔ اب وہ سارے دعوے جاتے رہے۔ بھلا کہیں قدرتی فرق بھی کسی کے مٹانے سے مٹ سکتا ہے اور اگر ایسا کیا بھی گیا اور عورتوں کو مردونکی برابر سب عہدے دیدیئے بھی گئے۔ مگر ظاہر ہے کہ اسکیلئے عورتوں کو لیاقت بھی حاصل کرنا پڑیگی۔ علوم وفنون بھی حاصل کرنا ہونگے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اولاد کا سلسلہ بند ہوجائے گا۔ کیونکہ میں نے امریکن ڈاکٹر کا قول دیکھا ہے کہ عورت کو زیادہ تعلیم دینے کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اُسکے اولاد نہیں ہوتی یا ہوتی ہے تو کمزور ہوتی ہے (جو جلد مرجاتی ہے) تو قدرتی طور پر عورتوں کے قوئی دماغیہ زیادہ تعلیم کے متحمل نہیں ہیں۔ جب یہ بات ہے تو قدرتی طور پر مردوں اور عورتوں میں مساوات نہیں ہوسکتی۔ پھر نہ معلوم عورتونکو برابری کا دعویٰ کیوں ہے تم تو مردوں کے سامنے اتنی چھوٹی ہو کہ حدیث میں سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر میں خدا کے سوا کسی کیلئے سجدہ کرنے کی اجازت دیتا تو عورت کو حکم کرتا کہ اپنے خاوند کو سجدہ کیا کرے۔ کچھ ٹھکانا ہے مرد کی عظمت کا کہ اگر خدا کے بعد کسی کے لئے سجدہ جائز ہوتا تو عورت کو مرد کے سجدہ کا حکم ہوتا۔ مگر اب عورتیں مردونکی یہ قدر کرتی ہیں کہ اُن کی ساتھ زبان درازی اور مقابلہ سے پیش آتی ہیں۔ اگر تم یہ کہو کہ صاحب مرد کے غصہ کی ہم کو بھی غصہ آجاتا ہے تو سمجھو کہ غصہ ہمیشہ اپنے چھوٹے یا برابر پر آیا کرتا ہے۔ اور جس کو آدمی اپنے سے بڑا سمجھا کرتا ہے

اس پر کبھی نہیں آیا کرتا چنانچہ نوکر کو آقا پر غصہ نہیں آسکتا۔ اسی طرح رعیت کے آدمی کو حاکم پر غصہ نہیں آتا۔ بیٹے کو باپ پر غصہ نہیں آسکتا۔ چاہے وہ اس پر کتنا ہی غصہ کرے۔ کیونکہ یہ اس کو اپنے سے بڑا سمجھتا ہے۔ بس تمہارا یہ عذر ہی خود ایک جرم کو بتلا رہا ہے۔ عذرِ گناہ بدتر از گناہ اسی کو کہتے ہیں۔

جیسے بہم تم کو مرد کے غصہ سے غصہ آنا یہ بتلاتا ہے کہ تم اپنے کو مرد سے بڑا یا برابر درجہ کا سمجھتی ہو اور یہ خیال ہی سر سے غلط ہے۔ اگر تم اپنے کو مرد سے چھوٹا اور محکوم سمجھو تو چاہے وہ کتنا ہی غصہ کرتا تم کو ہرگز غصہ نہ آسکتا۔ بس تم اس خیال فاسد کو اپنے دل سے نکال دو اور جیسا خدا نے تم کو بنایا ہے ویسا ہی اپنے کو مرد سے چھوٹا سمجھو اور اُسکے غصہ کے وقت زبان درازی کبھی نہ کرو۔ اُسوقت خاموش رہو۔ اور جب اُسکا غصہ اُترجائے تو دوسرے وقت کہو کہ میں اسوقت بولی نہ تھی اب بتلاتی ہوں کہ تمہاری فلاں بات بیجا تھی یا زیادتی کی تھی۔ اس طرح کرنے سے بات بھی نہ بڑھیگی اور مرد کے دل میں تمہاری قدر بھی ہوگی۔ تو عورتیں ایک کوتاہی تو یہ کرتی ہیں اور ایک کوتاہی یہ کرتی ہیں کہ خاوند کے مال کو بڑی بیدردی سے اُڑاتی ہیں خاصکر شادی بیاہ کی خرافات رسموں میں اور شیخی کے کاموں میں بعضی جگہ تو مرد وعورت دونوں ملکر خرچ کرتے ہیں اور بعض جگہ صرف عورتیں ہی خرچ کی مالک ہوتی ہیں پھر اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مرد رشوت لیتا ہے۔ یا مقروض ہوتا ہے تو زیادہ تر جو مرد حرام آمدنی میں مشغول ہیں اسکا بڑا سبب عورتونکی فضول خرچی ہے۔ مثلاً کسی گھر میں شادی ہوئی تو یہ فرمائش ہوتی ہے کہ قیمتی جوڑا ہونا چاہئے۔ اب وہ سو دو سو روپے میں تیار ہوتا ہے۔ مرد نے سمجھا تھا کہ خیر سو دو سو ہی میں پاپ کٹا۔ مگر بیوی نے کہا کہ یہ تو شاہانہ جوڑا ہے۔ چوتھی بہوڑے کا الگ ہونا چاہئے۔ وہ بھی اسی کے قریب لاگت کا تیار ہوا پھر فرمائش ہوتی ہے کہ جہیز میں دینے کو بیس پچیس جوڑے اور ہونے چاہئیں۔ غرض کپڑے ہی کپڑے میں سینکڑوں روپیہ لگجاتے ہیں۔ جہیز میں اسقدر کپڑے دیئے جاتے ہیں کہ ایک بار میں ضلع میرٹھ کے ایک گاؤں میں گیا تھا۔ معلوم ہوا کہ وہاں ایک بہو صرف کپڑا پندرہ سو روپیہ کا لائی ہے۔ برتن اور زیور اور بچکے گوٹے اس سے الگ تھے میں نے بعض گھروں میں دیکھا ہے کہ جہیز میں اتنے کپڑے دیئے گئے تھے کہ لڑکی ساری عمر بھی پہنے تو ختم نہ ہوں۔ اب وہ کیا کرتی ہے اگر سخی ہوئی تو مُنہ ملاقات کی جگہ بانٹنا شروع کردیا۔ ایک جوڑا کسی کو دیا ایک کسی کو۔ اور بخیل ہوئی تو صندوق میں بند کرکے رکھ لئے۔ پھر بہت سے جوڑوں کو تو پہننا بھی نصیب نہیں ہوتا۔ وہ یوں ہی رکھے رکھے گل جاتے ہیں غرض اس فضول خرچی کیساتھ عورتیں خاوند کا مال برباد کرتی ہیں۔ بھلا جہیز میں اتنے کپڑے دینے کی کیا ضرورت ہے۔ مگر کیونکر نہ دیا جائے اس میں نام بھی ہوتا ہے کہ فلانی نے اپنی بیٹی کو ایسا جہیز دیا اور اتنا اتنا دیا بس شیخی کیواسطے مرد کا گھر برباد کیا جاتا ہے میں نے ایک تعلق دار کی حکایت سُنی جو بہت بڑے مالدار ہیں کہ اُنھوں نے اپنی لڑکی کا نکاح کیا اور جہیز میں صرف ایک پالکی دی اور ایک قالین اور ایک لوٹا اور ایک قرآن مجید اس کے سوا کچھ نہ دیا۔ نہ برتن نہ کپڑے بلکہ اسکی بجائے ایک لاکھ روپیہ کی جائداد بیٹی کے نام کردی اور کہا کہ میری نیت اس شادی میں ایک لاکھ روپیہ خرچ کرنے کی تھی

اور یہ رقم اس کیواسطے پہلے ہی تجویز کرلی تھی۔ خیال تھا کہ خوب دھوم دھام سے شادی کرونگا۔ مگر پھر میں نے سوچا کہ اس
دھوم دھام سے میری بیٹی کو کیا نفع ہوگا۔ بس لوگ کھا پیکر چلدینگے میرا روپیہ برباد ہوگا۔ اور بیٹی کو کچھ حاصل نہ حصول
اس لئے میں نے ایسی صورت اختیار کی جس سے بیٹی کو نفع پہنچے۔ اور جائداد سے بہتر اس کیلئے نفع کی کوئی چیز نہیں
اس سے وہ اور اسکی اولاد پشتہا پشت تک بے فکری سے عیش کرتے رہیں گے۔ اور اب کوئی مجھے بخیل اور کنجوس بھی نہیں
کہہ سکتا کیونکہ میں نے دھوم دھام نہیں کی تو رقم اپنے گھر میں بھی نہیں رکھی۔ دیکھو یہ ہوتا ہے عقلاء کا طرز اگر خدا کسی کو
دے تو بیٹی کے جہیز میں بہت دینا بُرا نہیں۔ مگر ترتیب سے ہونا چاہیئے جو لڑکی کے کچھ کام بھی آوے۔ مگر عورتوں کو کچھ
نہیں سوجھتا۔ یہ تو ایسی بیہودہ ترکیبوں سے روپیہ برباد کرتی ہیں جن سے نہ ان کو کچھ وصول ہوتا ہے۔ نہ لڑکی کو۔ یہ وہ
کوتاہیاں ہیں جو عورتیں دنیوی حقوق میں کرتی ہیں۔ مگر یہ ظاہر میں دنیا ہے اور واقع میں سب دین ہے۔ کیونکہ شریعت
نے مرد کے مال کی حفاظت اور اس کی تعظیم و خدمت عورتوں کے ذمہ لازم سمجھی ہے اگر وہ اس میں کوتاہی کرینگی تو ان سے
باز پرس ہوگی۔ ایک کوتاہی دینی حقوق میں کرتی ہیں کہ مرد کو جہنم کی آگ سے بچانیکا اہتمام نہیں کرتیں۔ یعنی اسکی پرواہ نہیں
کرتیں۔ کہ مرد ہمارے واسطے حلال و حرام میں مبتلا ہے۔ اور کمانے میں رشوت وغیرہ سے باک نہیں کرتا۔ تو اسکو سمجھائیں کہ تم حرام
آمدنی مت لیا کرو ہم حلال ہی میں اپنا گذر کرلیں گے۔ علیٰ ہذا اگر مرد نماز نہ پڑھتا ہو تو اسکو مطلق نصیحت نہیں کرتیں
حالانکہ اپنی غرض کیلئے اس سے سب کچھ کرالیتی ہیں۔ اگر عورت مرد کو دیندار بنانا چاہے تو اسکو کچھ مشکل نہیں۔ مگر اس کیلئے
ضرورت اسکی ہے کہ پہلے تم دیندار بنو۔ نماز اور روزہ کی پابندی کرو۔ پھر مرد کو نصیحت کرو۔ تو انشاء اللہ اثر ہوگا۔ مگر
بعضی عورتیں دیندار بنتی ہیں تو یہ طریقہ اختیار کرلیتی ہیں کہ تسبیح اور مصلیٰ لیکر بیٹھ گئیں۔ اور گھر کو ماماؤں پر ڈالدیا یہ
طریقہ بھی اچھا نہیں۔ کیونکہ گھر کی نگہبانی اور خاوند کے مال کی حفاظت عورت کے ذمہ فرض ہے جس میں اس صورت
سے بہت خلل واقع ہوتا ہے۔ اور جب فرض میں خلل آگیا تو یہ نفلیں اور تسبیحیں کیا نفع دیں گی۔ اسلئے دینداری میں اتنا غلو بھی
نہ کرو کہ گھر کی خبر ہی نہ لو۔ نماز روزہ اس طرح کرو کہ اس کیساتھ گھر کا بھی پورا حق ادا کرو۔ اور تمہارے واسطے یہ بھی دین
ہی ہے کہ تم کو گھر کے کام کاج میں بھی ثواب ملتا ہے۔ (مگر اس نیت سے کرو کہ میں حق تعالیٰ کے حکم کا امتثال کرتی ہوں
کیونکہ حق تعالیٰ نے گھر کی حفاظت اور خبرگیری میرے ذمہ کی ہے ۱۲) ہاں گھر کے کاموں میں ایسی منہمک نہ ہوں کہ دین
کو چھوڑ دو۔ بلکہ اعتدال سے کام لو کہ دین کے ضروری کام بھی ادا ہوتے رہیں اور گھر کا کام بھی نگاہ کے سامنے نکلتا رہے۔
یہ تخت بے تمیزی ہے کہ تسبیح اور نفلوں میں مشغول ہوکر گھر کے کام کو بالکل چھوڑ دیا جائے اور اللہ اللہ تو گھر کے کام کرتے
ہوئے بھی ہوسکتا ہے۔ یہ کیا ضرور ہے کہ تسبیح اور مصلیٰ ہی کے ساتھ اللہ اللہ کیا جائے۔ حدیث میں آتا ہے کہ لا یزال لسانک
رطباً من ذکر اللہ۔ کہ زبان کو خدا کی یاد سے ہر وقت تر رکھنا چاہیئے۔ اور ظاہر ہے کہ تسبیح اور مصلیٰ ہر وقت ساتھ نہیں رہ سکتا
تو معلوم ہوا کہ ذکر اللہ کیلئے کسی قید اور پابندی کی ضرورت نہیں بلکہ ہر وقت اور ہر حال میں ہوسکتا ہے۔ بلکہ میں کہتا ہوں

کہ جنکو خدا نے مامائیں اور نوکر دیئے ہوں وہ اپنے ہاتھ سے بھی کچھ کام کیا کریں۔ یہ نہ ہو کہ دن رات پلنگ ہی توڑتی رہیں اور کسی
کام کو ہاتھ نہ لگائیں کیونکہ اس طرح کام کی عادت چھوٹ جاتی ہے۔ اور آدمی ہمیشہ کیلئے محتاج بن جاتا ہے اور کام کرتے رہنے
میں عادت بھی رہتی ہے اور قوت و صحت بھی اچھی رہتی ہے۔ حدیث میں ہے المومن القوی خیر من المؤمن الضعیف و
فی کلٍ خیر کہ مسلمان قوی مسلمان کمزور سے اچھا ہے اور یوں تو سب ہی اچھے ہیں تو ہمت کی بات یہ ہے کہ گھر کے کام کو بھی دیکھو نوکروں
باندیوں سے اپنی نگرانی میں کام لو۔ اور کبھی کسی کام کو اپنے ہاتھ سے بھی کرلیا کرو۔ اور اس کیساتھ کچھ وقت نکالکر نفلیں اور تسبیحیں بھی پڑھو
اگر زیادہ وقت نہ ملے تو چلتے پھرتے ہی اللہ اللہ کرتے رہا کرو۔ ایک کوتاہی عورتیں اولاد کے حقوق میں کرتی ہیں بعضی تو اپنے
بچوں کو کوستی ہیں۔ اور کبھی وہ کوسنا لگ بھی جاتا ہے پھر سر پکڑ کر روتی ہیں۔ اور بعضی اولاد کے حقوق میں دینی کوتاہی کرتی ہیں کہ انکو
دین کی تعلیم نہیں دیتیں۔ نہ نماز روزہ کی ترغیب دیتی ہیں۔ چاہیئے کہ اپنی اولاد کو نماز سکھلاؤ۔ اور نماز نہ پڑھنے پر تنبیہ اور تاکید
کرو۔ اور علم کی رغبت دلاؤ۔ یہ تو قول کی تعلیم ہوئی۔ مگر اس کیساتھ فعل سے بھی تعلیم کرو کہ تم خود بھی اپنی حالت کو درست کرو۔
والدین کے افعال دیکھ دیکھکر بچہ وہی کام کرنے لگتا ہے جو انکو کرتے دیکھتا ہے۔ بلکہ ایک بات تجربہ کی بتلاتا ہوں کہ اگر بچہ
پیدا ہونے سے پہلے والدین اپنی حالت درست کرلیں تو بچہ نیک ہی پیدا ہوگا بچہ کی پیدائش سے پہلے بھی جو افعال و احوال والدین
پر گذرتے ہیں انکا بھی اثر اس میں آتا ہے چنانچہ ایک بزرگ کا بچہ بڑا شریر تھا کسی نے ان سے کہا کہ یہ بڑے تعجب کی بات ہے
کہ آپ تو ایسے بزرگ اور آپکا بچہ ایسا شریر فرمایا کہ ایک دن میں نے ایک امیر کے گھر کا کھانا کھالیا تھا۔ اس سے نفس میں ہیجان
ہوا۔ اسوقت میں اسکی ماں کے پاس گیا اور حمل قرار پاگیا۔ تو یہ بچہ اس مشتبہ غذا کا ثمرہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حمل قرار پانے کے
وقت والدین کی جو حالت ہوتی ہے اچھی یا بُری اسکا بھی اثر بچہ میں آتا ہے۔ بعض کتابوں میں ایک حکایت لکھی ہے کہ دو میاں بیوی نے
آپس میں صلاح کی کہ آؤ ہم دونوں سب گناہوں سے توبہ کرلیں۔ اور آئندہ کوئی گناہ نہ کریں۔ تاکہ بچہ نیک پیدا ہو چنانچہ اسکا
اہتمام کیا گیا۔ اسی حالت میں حمل قرار پایا اور بچہ پیدا ہوا تو وہ بہت صالح اور سعید پیدا ہوا۔ ایک روز اس بچہ نے کسی
دوکان پر سے ایک بیر چرا لیا۔ مرد نے بیوی سے کہا سچ بتلا یہ اثر کہاں سے آیا۔ اس نے بیان کیا کہ پڑوسی کے گھر میں جو بیری
کا درخت کھڑا ہے۔ اسکی ایک شاخ ہمارے گھر میں ہے اس میں ایک بیر لگ رہا تھا میں نے وہ توڑ لیا تھا۔ مرد نے کہا بس اسکا اثر
ہے آج ظاہر ہوا۔ پس اولاد نیک ہونے کیلئے اول وجہ تو یہ ہے کہ والدین خود نیک بنیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ پیدا ہونیکے بعد اسکے
سامنے بھی کوئی حرکت بیجا نہ کریں۔ اگرچہ وہ بالکل ناسمجھ بچہ ہو۔ کیونکہ حکماء نے کہا ہے کہ بچہ کے دماغ کی مثال پریس جیسی ہے
کہ جو چیز اسکے سامنے آتی ہے وہ دماغ میں منقش ہوجاتی ہے۔ پھر جب اسکو ہوش آتا ہے تو وہی نقوش اسکے سامنے آجاتے ہیں
اور وہ ایسے ہی کام کرنے لگتا ہے جیسے اسکے دماغ میں پہلے ہی سے منقش تھے غرض مت سمجھو کہ یہ تو ناسمجھ بچہ ہے یہ کیا سمجھیگا
یاد رکھو جو افعال تم اسکے سامنے کروگے ان سے اس کے اخلاق پر ضرور اثر پڑیگا۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ جب بچہ بڑا ہوجائے تو اسکو
علم دین سکھاؤ۔ اور خلاف شریعت کاموں سے بچاؤ۔ اور نیک لوگوں کی صحبت میں رکھو برے لوگوں کی صحبت سے بچاؤ غرض جس طرح

بزرگوں نے لکھا ہے اسی طرح بچوں کی تعلیم کا اہتمام کرو۔ بعض عورتیں اس میں بہت کوتاہی کرتی ہیں۔ اور اولاد کے حقوق کو تلف
کرتی ہیں۔ اور اولاد کے یہ حقوق صرف عورتوں ہی کے ذمہ نہیں۔ بلکہ مردوں کے بھی ذمہ ہیں۔ مگر بچوں کے اخلاق کی درستی زیادہ تر عورتوں
ہی کے اہتمام کرنے سے ہوسکتی ہے۔ کیونکہ بچے ابتدا میں زیادہ تر ان ہی کے پاس رہتے ہیں۔ یہ ہیں حقوق عورتوں کے مردوں کے
ذمہ میں اور مردوں کے عورتوں کے ذمہ میں۔ گھر میں مرد تو عورت کی رعیت نہیں ہے بلکہ حاکم ہے۔ تو اسکے جو عورت کے ذمہ میں
ہیں وہ حاکم کے حقوق ہیں۔ اور عورتوں کے حقوق جو مردوں کے ذمہ ہیں وہ سب رعیت کے حقوق ہیں کیونکہ عورتیں انکی محکوم
ہیں۔ اسی کو فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ۔ آجکل نماز روزہ کی تعلیم
تو سب کرتے ہیں مگر جو باتیں میں نے بیان کی ہیں انکو کوئی نہیں بتاتا اسی لئے ان حقوق کو بہت لوگ نہیں جانتے
اسواسطے میں نے اس وقت مختصراً یہ مضمون بیان کیا ہے تاکہ یہ باتیں کان میں تو پڑ جائیں۔ اب ایک بات اخیر میں یہ
کہتا ہوں کہ اسوقت جتنے حقوق آپنے سنے ہیں انکے بجالانے کیلئے آپکو ایک تو علم کی ضرورت ہوگی کیونکہ بدون جانے کیونکر
ادا ہونگے۔ اور اسوقت کا بیان یاد نہیں رہ سکتا اور نہ یہ کافی ہوسکتا ہے کیونکہ اسوقت میں نے تمام حقوق کو تفصیل
کیساتھ نہیں بیان کیا ہے محض اجمالاً و مختصراً کچھ باتیں بیان کردی ہیں۔ اسلئے علم حاصل کرنے سے چارہ نہیں۔ دوسری
ضرورت ہوگی ہمت کی۔ کیونکہ جان لینے کے بعد بھی بدون ہمت کے عمل نہیں ہوسکتا۔ تو میں ان دونوں کا آسان طریقہ بتلاتا ہوں
جسکی مستورات کیلئے زیادہ ضرورت ہے۔ کیونکہ مردوں کو تو کسی قدر علم خود بھی ہوتا ہے اور ان میں ہمت بھی بہت کچھ ہے مگر عورتوں کو
نہ تو علم ہے نہ ہمت تو علم حاصل کرنیکا آسان طریقہ تو یہ ہے کہ جو کتابیں مسائل کی اہل تحقیق نے لکھی ہیں انکو پڑھو اور اگر پڑھی ہوئی
عمر نہ ہو تو کسی سے بالالتزام سن لو اور روزمرہ سنا کرو۔ جب تمام کتاب ختم ہوجائے تو پھر اوّل سے دوبارہ شروع کردو اسی طرح تمام عمر
باخبر ہوجاؤ گی حقوق کا اچھی طرح تم کو علم ہوجاویگا اور ہمت کیلئے ایک آسان تدبیر تو یہ ہے کہ بزرگوں کے پاس جاکر بیٹھا کرو مگر یہ صورت
مردوں کیلئے ہے عورتوں کیلئے نہیں۔ وہ یہ کریں کہ بزرگوں کے حالات اور حکایات اور ملفوظات دیکھا کریں اس سے انشاء اللہ تعالیٰ انمیں
عمل کی ہمت پیدا ہوگی۔ بس یہ طریقہ ہے ان حقوق کے ادا کرنیکا۔ اب دعا کرو کہ حق تعالیٰ ہمکو اسکی توفیق عطا فرمائیں۔ وصلی اللہ تعالیٰ
وسلم علی خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والحمد للہ الذی بنعمتہ وجلالہ تتم الصالحات

مضمون متعلق بہ تعلیم زنانہ اسکول جس کا حوالہ وعظ ہذا کے تقریباً ثلث حصہ کے بعد کے حاشیہ میں ہے

وھو ھذا۔ بعض آدمی اپنی ایسا کیونکر آزاد دیا کہ عورتوں کو تعلیم دلاتے ہیں۔ یہ تجربہ ہے کہ ہم صحبت کے افعال و جذبات کا آدمی پر ضرور اثر آتا
ہے خاص کر جب وہ شخص ہم صحبت ایسا ہو کہ متبوع اور معظم بھی ہو اور ظاہر ہے کہ استاد سے زیادہ ان خصوصیات کا کون جامع ہوگا تو اس
صورت میں وہ آزادی و بیباکی ان لڑکیوں میں بھی آویگی۔ اور میری رائے میں سب سے بڑھکر جو عورت کا حیا اور انقباض ہی ہے اور یہی
مفتاح ہے تمام خیروں کی جب یہ نہ رہا تو اسکے بعد نہ کوئی خیر متوقع ہے نہ کوئی شر مستبعد ہر چند کہ اذا فاتک الحیاء فافعل ما شئت حکم عام
ہے لیکن میرے نزدیک ما شئت کا عموم نساء کیلئے بہ نسبت رجال کے زیادہ ہے اسلئے کہ مردوں میں پھر بھی عقل کسی قدر مانع ہے اور عورتوں میں

اسکی بھی کمی ہوتی ہے اسلئے کوئی مانع نہیں رہیگا۔ اسی طرح اگر استانی ایسی نہ ہو لیکن ہم سبق اور ہم مکتب لڑکیاں ایسی ہوں تب بھی یہی ذکر یہ مفاسد
واقع ہونگی۔ اس تقریر سے دو چیزوں کا حال بھی معلوم ہوگیا ہوگا جنکا اسوقت بکثرت شیوع ہے۔ ایک چیز یہ کہ عام زنانہ اسکول بنانا اور
مدارس عامہ کی طرح اسمیں مختلف طبقات اور مختلف خیالات کی لڑکیوں کا روزانہ جمع ہونا گو معلمہ مسلمان ہی اور آنا ڈولیوں ہی میں ہو اور گو یہاں
آکر بھی پردہ ہی کے مکان میں رہنا ہو لیکن تجربہ اور واقعات نے دکھلادیا ہے اور تجربہ کرادیا ہے کہ یہاں ایسے اسباب جمع ہوجاتے ہیں جنکا انکی اخلاق
پر بُرا اثر پڑتا ہے۔ اور صحبت اکثر عفت سوز ثابت ہوئی ہے اور اگر استانی بھی کوئی آزاد یا سنگار کی ہوگی تو کریلا اور نیم چڑھا کی مثال صادق آجاتی ہے
اور دوسری چیز یہ کہ اگر کمیشن کی یہ تجویز روزانہ یا ہفتہ وار نگرانی تعلیم یا صنعت سکھلانے کے بہانہ اختلاط ہونے لگا تو نہ آبرو کی خیر ہو اور نہ ایمان
کی۔ مگر افسوس صد افسوس کہ بعض لوگ ان آفات کو مایہ افتخار سمجھ کر خود اپنے گھروں میں بلاتے ہیں میرے نزدیک تو ان آفات مجسمہ سے
بچی تو بچی اور تابع ہو کر تو کیا ذکر کسی بڑی بوڑھی مسلمان عورت کا متبوع ہو کر عمر بھر میں ایک بار ہمکلام ہونا بھی خطرناک ہے جن مفسدوں کے
ذکر کا اوپر وعدہ تھا ان میں سے بعض یہی ہیں اور بعض کا ذکر اوپر دوسرے طبقہ کے منشاء و خیال کے ضمن میں ہوچکا ہے۔ اسلم طریق جو کسی کو یہی
ہے جو زمانہ دراز سے چلا آتا ہے کہ دو دو چار چار لڑکیاں اپنے تعلقات کے مواقع میں آویں اور پڑھیں اور حتی الامکان اگر ایسی استانی ملجاوے
جو تنخواہ نہ لے تو تجربہ سے تعلیم زیادہ بابرکت اور باثر ثابت ہوئی ہے اور بدرجہ مجبوری اسکا بھی مضائقہ نہیں اور جہاں کوئی ایسی استانی نہ ملے
اپنے گھر کے مرد پڑھا دیا کریں۔ پڑھانیکا تو یہ طرز ہو اور نصاب تعلیم یہ ہو کہ اول قرآن مجید حتی الامکان صحیح پڑھایا جاوے پھر کتب دینیہ سہل
زبان کی جن میں تمام اجزاء دین کی مکمل تعلیم ہو (میرے نزدیک اسوقت بہشتی زیور کے دسوں حصے ضرورت کیلئے کافی ہیں) اور اگر گھر کا مرد
تعلیم دے جو مسائل شرمناک ہوں ان کو چھوڑ دیں۔ اور اپنی بی بی کے ذریعہ سمجھوادے اور اگر یہ انتظام بھی نہ ہوسکے تو ان پر نشان کردے
تاکہ انکو یہ مقامات محفوظ رہیں۔ پھر وہ سیانی ہوکر خود سمجھ لیں گی۔ یا اگر عالم شوہر میسر ہو اس سے پوچھ لینگی یا شوہر کے ذریعہ کسی عالم سے تحقیق
کرالیں گی چنانچہ بندہ نے بہشتی زیور کے دستور العمل میں جو ٹائٹل پر مطبوع ہوا ہے اسکا خلاصہ لکھدیا ہے مگر بعض لوگ اسکو دیکھتے نہیں اور
اعتراض کر بیٹھتے ہیں کہ اگر کوئی مرد پڑھاوے گا تو ایسے مسائل کس طرح پڑھاوے اسلئے انکا لکھنا ہی کتاب میں مناسب تھا جیسی کچھ
سمجھ ہے۔ بہشتی زیور کا اخیر میں مفید رسالوں کا نام بھی لکھدیا گیا ہے جنکا پڑھنا اور مطالعہ عورتوں کو مفید ہے۔ اگر سب نہ پڑھیں ضروری مقدار
پڑھکر باقی انکو مطالعہ میں ہمیشہ رکھیں اور تعلیم کیساتھ انکے عمل کی بھی نگرانی رکھیں اور اسکا بھی انتظام کریں کہ انکو تدریس کا شوق
ہو تاکہ عمر بھر مشغلہ رہے تو اس سے علم و عمل کی تجدید و تحریض ہوتی رہتی ہے اور انکی بھی ترغیب دیں کہ مطالعہ کتب مفیدہ دینی کا نافل
نہ رہیں اور ضروری نصاب کے بعد اگر طبیعت میں قابلیت دیکھیں عربی کی طرف متوجہ کریں۔ تاکہ قرآن و حدیث و فقہ اصلی زبان میں سمجھنے
کی قابلیت ہوجاوے اور قرآن کا خالی ترجمہ جو بعض لڑکیاں پڑھتی ہیں میرے خیال میں اسمیں زیادہ غلطی کرتی ہیں اسلئے اکثر کیلئے مناسب
نہیں۔ یہ تو سب پڑھنے کے متعلق بحث تھی۔ رہا لکھنا تو اگر قرائن سے طبیعت میں بیباکی معلوم نہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں۔ ضروریات خانگی کیلئے
اسکی بھی حاجت ہوجاتی ہے اور اگر اندیشہ خرابی کا ہو تو مفاسد سے بچنا جلب منافع وغیرہ واجبات سے اہم ہے۔ ایسی حالت میں لکھنا
نہ سکھاویں اور نہ خود لکھنے دیں اور یہی فیصلہ ہے عقلاء کے اس اختلاف کا کہ لکھنا عورت کیلئے کیسا ہے۔ فقط +

ہر قسم کی درسی غیر درسی دینی کتب ارزاں ملنے کا پتہ (مولوی) محمد اسحاق کتبخانہ رحیمیہ دیوبند ضلع سہارنپور (یوپی)